جلد: 7
ربیع الثانی
۱۴۳۳ھ

ماہ نامہ ماہِ نور دہلی

شمارہ: 10
مارچ
۲۰۱۲ء

نوٹ: رسالے کے مستقل قارئین اس جانب ضرور توجہ دیں کہ اگر ان کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو ادارہ کو جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تاکہ ان کی ممبری بحال رہے۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

ماہ نامہ ماہِ نور
419، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006

MAAH-E-NOOR Monthly
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

E-mail:mahenoormonthly@gmail.com, Website : www.abulghaus.com

قیمت فی شمارہ	:	12روپے
قیمت سالانہ	:	150روپے
بیرونِ ممالک	:	20ڈالر
لائف ٹائم ممبر شپ	:	5000روپے
// // بیرون ممالک	:	300ڈالر

Printer, Publisher & Owner
SYED ABUL HASAN

Published at:
2229, Star Offset Printing Press
Ahata Hajjan Bi, Rodgran, Delhi-6

Published from:
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

فہرست مضامین

خصوصی موضوع: یوپی اسمبلی انتخاب 2012ء

یوپی الیکشن میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری کا امتحان

نوشاد عالم چشتی (علیگ)

ملک کی پانچ ریاستوں اُتراکھنڈ، اترپردیش، پنجاب، منی پور اور گوا میں ریاستی اسمبلی انتخابات 15/جنوری سے مارچ کے پہلے ہفتہ تک مکمل ہوجائیں گے اور 6/مارچ کو ووٹوں کی گنتی شروع ہوجائے گی۔ مذکورہ بالا ریاستوں کے اسمبلی انتخابات میں سب سے زیادہ توجہ کا مرکز اترپردیش کا اسمبلی الیکشن ہے، اور یہی میرا موضوعِ گفتگو بھی ہے۔ کیونکہ اترپردیش ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے جسے مرکزی اقتدار کی کلید کہا جاتا ہے۔ یہاں مسلمانوں کا ووٹ 18 فیصد ہے۔ 10 فیصد سے زیادہ ووٹ کسی بھی الیکشن میں کامیابی اور نتائج کو اُتھل پتھل کرنے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے 18 فیصد ووٹ کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ یہاں سے 80 اراکین پارلیمنٹ منتخب ہوکر لوک سبھا میں پہنچتے ہیں۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ ملک کی آزادی سے لے کر اب تک مرکز میں تشکیل پانے والی حکومتوں میں بنیادی رول یوپی ہی کا رہا ہے۔ اس لیے دیگر انتخابات کی طرح اس بار بھی ہر سیاسی پارٹی یہاں انتخاب کا بگل بجتے ہی مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے اور مسلم ووٹروں کو رجھانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کررہی ہے۔ ووٹروں کو اپنے حق میں کیسے کیا جاسکتا ہے اسی کے لیے تمام پارٹیاں مختلف حکمت عملیاں اختیار کررہی ہیں، بڑے بڑے وعدے بھی کیے جارہے ہیں۔ کوئی ریاست کی ترقی کی بات کررہا ہے، تو کوئی اپنے حلقہ اسمبلی کی تعمیر و ترقی کا راگ الاپ رہا ہے، تو کوئی مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے کی بات کررہا ہے، تو کوئی ان کی پسماندگی پر مگرمچھ کے آنسو بہا رہا ہے۔ غرض کہ جتنی پارٹیاں اتنے ہی ہتھکنڈے۔ اب ایسے حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں سنجیدگی سے غور کیے جانے کی ضرورت ہے۔

قارئین کرام! جب یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا اس وقت یوپی میں الیکشن اپنے شباب پر ہوگا۔ ایسے وقت میں ہم اپنے قارئین سے یہ گزارش کریں گے کہ آپ اپنے ووٹ کی قوت اور اہمیت کو سمجھیں اور ووٹ کی جو قوت ہے اسے محسوس کریں۔ یاد رکھیے ووٹ آپ کی امانت ہے اس لیے اس امانت کا صحیح استعمال کریں، ووٹ کو ضائع ہونے سے بچائیں، ووٹ خود بھی دیں اور دوسروں کو دلوائیں بھی، اس میں کوتاہی سے کام نہ لیں اور اس بات کا سب سے زیادہ دھیان رکھیں کہ بہرصورت آپ کا ووٹ ضائع نہ ہوسکے۔ یہ بھی آپ سے مخفی نہیں ہوگا کہ جب جب مسلمانوں نے اپنے شعور کو بیدار کیا ہے تو کامیابی مسلمانوں کے ہاتھ آئی ہے۔ پچھلے الیکشن کے نتائج پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جب جب مسلمانوں نے اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کیا ہے تو منتخب سیاسی جماعتوں نے مسرورانہ سہی مجبوراً مسلم مسائل پر توجہ دینے کی کوشش کی۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی المیہ رہا ہے کہ بنامِ مسلم جو بھی سیاسی پارٹیاں نمودار ہوئیں، اس نے مذہب کے نام پر سیاست کا ایجنڈا تیار کیا۔ ایجنڈوں کو جذباتی مسلم مفادات کے گرد محصور کیا۔ ووٹ کی اپیل بھی صرف مسلمانوں کو فوکس کرتے ہوئے کی گئی، جس کا منفی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ وہ پارٹیاں سیاسی پارٹیاں نہ رہ کر مسلم پارٹی سمجھی جانے لگیں اور اب تک ہم ہندوستانی سیاست میں اپنا وہ مقام حاصل نہیں کرسکے جو ہمیں حاصل ہونا چاہیے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ مذہب، ذات، برادری اور قومیت کی بنیاد پر مسلم ووٹوں کو منتشر کرنے کا بھی قضیہ کم تکلیف دہ نہیں، جس کی وجہ سے ہماری سیاسی قوت مستحکم ہونے کے بجائے دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ ساتھ ہی مشترک ملّی مفادات میں مسلمانوں کا عدمِ اتحاد بھی ناسور سے کم نہیں۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جہاں ہر ایک کو جمہوری حقوق حاصل ہیں۔ یہاں کے مسلمان بھی اس ملک کی سالمیت اور تعمیر و ترقی میں اسی قدر کے حصہ دار ہیں جتنی کہ اس ملک کا اکثریتی طبقہ یا دیگر اقلیتیں۔ اس لیے بنیادی طور پر ہمیں ذہن میں رکھنا ہوگا کہ اگر ہم سیاسی طور پر اپنے آپ کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے سیاسی ایجنڈے میں بلاتفریق مذہب وملت ہر قوم کے مفادات کو سامنے رکھنا ہوگا اور مسلمانوں میں جذباتی سیاست کے بجائے پر امن، بقائے باہم، آپسی بھائی چارگی اور صبر وتحمل کی سیاست کا مزاج پیدا کرنا ہوگا، پھر مسلمانوں کو مشترک ملّی مفادات کے تحفظ کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر آنا ہوگا جبھی کامیابی کا روشن خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔

آئے دن کی ناکامیوں، معاشی بدحالیوں، تعلیمی پسماندگیوں کے باوجود مسلم قائدین کج فکری کے قعر مذلت سے باہر نہیں آسکتے۔ نتیجتاً آج مسلمان ترقی کی دوڑ میں ناگفتہ بہ صورتِ حال سے دوچار ہے۔ اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ ہو کہ اعلیٰ ملازمتوں کا مسئلہ یا اعلیٰ تجارتی مشاغل کا، ہر ایک میں مسلمانوں کی نمائندگی کا تناسب افسوسناک حد تک کم ہے۔ کیا اس سلسلے میں صرف حکومتوں کو ہی ذمہ دار قرار دینے سے بات بن جائے گی، نہیں۔ بلکہ ہمیں اپنی کوتاہیوں پر بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

حالیہ یوپی اسمبلی الیکشن کے تناظر میں یہاں اس پہلو پر بھی غور کیے جانے کی ضرورت ہے کہ یوپی کے اندر 8 فروری تا 3 مارچ 7 مراحل میں اسمبلی انتخابات ہو رہے ہیں۔ اسمبلی حلقوں کی جو نئی حد بندی ہوئی ہے اخباری اطلاع اور محتاط اندازے کے مطابق 113 نشستوں پر مسلم رائے دہندگان فیصلہ کن کردار میں ہیں، جس نے ہر سیاسی پارٹی کی پریشانی میں اضافہ کر رکھا ہے۔

راقم الحروف کے خیال میں اگر مسلمان بصیرت وتدبر اور سیاسی بیداری سے کام لے اور ووٹ کے تعلق سے وہ یہ نشانہ طے کرلے کہ جہاں جہاں جو امیدوار علاقہ کی تعمیر وترقی، تعلیم، تجارت، ثقافت کے حوالے سے مخلص ہو بلاتفریق مذہب وملت، قومیت اور ذات برادری کے تعصب سے اوپر اُٹھ کر انھیں مخلص اور سنجیدہ امیدوار کو کامیاب بنائیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ مخلص امیدوار خواہ جس بھی پارٹی کا ہو اسے جتایا جانا چاہیے تو یہ ہمارے حق میں بھی زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگا اور ملک کی سالمیت، استحکام اور ترقی کے لیے بھی نفع بخش ہوگا۔ لیکن یہ نہ بھولیں کہ جو سیاسی جماعت مذہب یا فرقہ وارانہ منافرت کو اپنا سیاسی ایجنڈا بنائے اسے یکسر مسترد کیے جانے ہی میں قوم اور ملک کی بھلائی ہے۔ اسی طرح تمام ریاستوں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر سیاسی بیداری پیدا کریں اور اپنے حلقۂ انتخاب میں مخلص، سنجیدہ اور باشعور امیدوار کو اپنی قیمتی حمایت سے کامیاب کریں تاکہ مستقبل میں ترقی اور تعمیر کا رونا نہ رونا پڑے۔

یہ نہایت خوش آئند صورتِ حال بھی دیکھنے میں نظر آرہی ہے کہ اب ہندوستانی معاشرہ خواہ جس بھی قوم یا مذہب سے متعلق ہو اب جذباتی سیاست سے دور ہو رہا ہے۔ امن وامان جو ملک کی اصل پونجی ہے اسے نئی نسل کھونا نہیں چاہتی۔ ملک کی قدیم روایت محبت و بھائی چارگی اور اتحاد و یکجہتی کے تحفظ کی فکر ہر سنجیدہ اور مخلص طبقے میں بخوبی دیکھی جارہی ہے۔ لہٰذا اب رام مندر اور فرقہ وارانہ منافرت کے جذبات اُبھار کر سیاست کو چمکانے کا فارمولہ ہمیشہ کی طرح کامیاب نہیں ہوسکتا۔ مذہبی اشتعال انگیزی کے بل پر کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ جو سیاسی جماعت بھی ایسے ایشوز کے سہارے سیاسی کامیابی کا خواب دیکھ رہی ہے وہ یقیناً شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، کیونکہ اب عوام بیدار ہو رہی ہے۔ وہ اس بات کو بخوبی سمجھنے لگی ہے کہ اشتعال انگیزی ملک اور عوام کی حفاظت وسالمیت اور فلاح و بہبود کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ □□

ای میل: naushadchishti@yahoo.com، موبائل: +919412562751

منظومات

مناجات

میں تیری حمد لکھوں وہ کمال دے یارب
زمانہ جس کی ہمیشہ مثال دے یارب
ہر ایک شئے میں نمایاں ہے تیرا حسن و جمال
مری نظر کو بھی ذوقِ جمال دے یارب
گناہ گار ہوں لیکن میں تیرا بندہ ہوں
مرے گناہ کو اشکوں میں ڈھال دے یارب
کریم تو ہے غفورالرحیم بھی تو ہے
جو ڈگمگاؤں تو مجھ کو سنبھال دے یارب
ترے رسول کی امت میں میں بھی ہوں شامل
مجھے بھی تو وہی حب بلال دے یارب
رسول پاک کی عظمت کا واسطہ تجھ کو
تو ان کے خُلق کے سانچے میں ڈھال دے یارب
ترے رسول کی امت ابھی پریشاں ہے
جو آنے والی مصیبت ہے ٹال دے یارب
بکھرنے دوں نہ میں شیرازہ دین کا تیرے
تو اپنے فضل سے کچھ حل نکال دے یارب
حسین لفظوں سے اشعار کی کروں تجسیم
تو میرے ذہن میں ایسا خیال دے یارب
ترے حبیب کا ادنیٰ غلام ہے خوشدلؔ
تو اس کے دل سے ہر اِک غم نکال دے یارب

فرحت حسین خوشدلؔ

نعت شریف

کس قدر رب نے بلندی پر مقدر رکھ دیا
ہم گنہگاروں میں رحمت کا پیمبر رکھ دیا
مرحبا صد مرحبا کھل اُٹھا ہے مثل گلاب
زر کی دہلیز پر جب قلب مضطر رکھ دیا
محتسب نے روزِ محشر دیکھتے ہی جرم عشق
عزت و تکریم سے عصیاں کا دفتر رکھ دیا
طنز میں کفار سے ابتر تمھیں جونہی کہا
رب نے تسکیں کے لیے قرآں میں کوثر رکھ دیا
اللہ اللہ صدق کی لہجوں میں ایسی ہے کھنک
خود ہی قاتل نے ترے قدموں میں خنجر رکھ دیا
آسماں سے فخر سے کہتی ہے کربل کی زمیں
اِک قمر تجھ کو ملا مجھ میں بہتر رکھ دیا
ہاں حبیب محتشم نے گلشنِ اسلام کی
آبیاری کے لیے شبیر و شبر رکھ دیا
پیار میں جھلنے لگیں ممتا کے آنچل سے ہوا
جب بھی ہم نے ماں کے قدم ناز پہ سر رکھ دیا
لاؤ قاسمؔ چوم لوں چشمِ عقیدت سے قلم
شعر کے قالب میں تو نے عشقِ سرور رکھ دیا

مولانا محمد قاسم اشرفی کچھوچھوی

قرآن اور طلبِ اذن

مولانا شاہ عالم نظامی ازہری ☆

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہی لوگ جو مکہ میں کمزور اور بے بس تھے یہاں طاقتور اور مضبوط ہوگئے۔ خوف و ہراس کی زندگی گزارنے والے خود مامون ومحفوظ ہوگئے اور دوسروں کے لیے امن وسلامتی کے پیغامبر بن کر اُبھرے۔ چھپ چھپ کر عبادت اور ریاضت کرنے والے علی الاعلان عبادت کرنے لگے اور مدینہ ایک پرامن وطن ہوگیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کو غزوۂ خندق میں اپنے ہی دروازے پر زبردست شکست دی اور دشمن خائف وخاسر ہوکر لوٹے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام میں اعلان فرمایا کہ مدینہ ایک مستحکم اور مستقل شہر ہو چکا ہے لہٰذا مسلمان یہاں اپنی جان و مال اور اہل وعیال کے ساتھ مامون ہوکر رہیں اور شب خون مارنے والے دشمن سے بے خوف ہوکر ان کے لیے اسلامی احکام کا بجالانا اور اس کے فرائض کا ادا کرنا آسان ہو چکا ہے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: لَنْ تَغْزُوْكُمْ قُرَيْش بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰـكِنَّكُمْ تَغْزُوْهُم (قریش اس سال کے بعد تم سے کبھی نہیں لڑیں گے لیکن تم ان سے لڑو گے) (سیرت ابن ہشام 255/3)

اس کے بعد مدینہ ایک ایسا پرامن شہر ہوگیا جہاں لوگ چین وسکون کی زندگی گزارنے لگے۔ اس لیے اس ماحول کے مناسب تھا کہ قرآن ایسے احکام لے کر نازل ہو جو مسلمانوں کے لیے ان کی معاشرتی زندگی کو منظم کرے اور عبادت وریاضت کا سلیقہ سکھائے، اس لیے ان ایام میں سورۂ نور کا نزول ہوا جس میں اخلاقی، اجتماعی اور معاشرتی قوانین کا تفصیل سے بیان ہوا ہے تاکہ حیاتِ بشری کی اصلاح ہو سکے اور ایک نئے معاشرے کی تعمیر کی جا سکے۔ یہ سورہ جن تعلیماتِ الٰہیہ پر مشتمل ہے وہ دو طرح کے ہیں:

(1) ایسے احکامات جو ان برے طور طریقے اور رسم ورواج کا علاج کرتے ہیں، جو اسلامی معاشرے کی بیخ کنی کر رہے تھے۔ مثلاً آیاتِ حدِ زنا، آیاتِ حدِ قذف اور آیاتِ لعان۔

(2) ایسی تعلیمات جو لوگوں کو بدنظمی اور غلط تہذیب وثقافت سے دور رکھ سکیں۔ جیسے طلبِ اذن کی آیات، آیاتِ غضِ بصر (نگاہیں نیچی رکھنا)، حفظِ فرج اور نکاح پر اُبھارنے والی آیات۔

ان شاء اللہ میری گفتگو طلبِ اذن کی آیات اور اس کی تفاسیر پر مرکوز ہوگی۔ سورۂ نور میں طلبِ اذن کی آیات دو مقامات پر ہیں۔

مقامِ اوّل:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ○ (سورۃ النور، آیت: 27، 28، 29)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا غیروں کے گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ طلب کرلو اور ان کے مکینوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے کہ تم خیال رکھو۔ پھر اگر ان میں تم کسی کو نہ پاؤ جب بھی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو، اور اگر تم سے لوٹنے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ اللہ تمھارے اعمال کو جانتا ہے۔ اور ان گھروں میں داخل ہونے پر کوئی گناہ نہیں جو خاص کسی کی سکونت نہ ہو اور ان میں تمھاری آسانی ہو۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

مقامِ ثانی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۃ النور، آیت: 58، 59)

اے ایمان والو! تمھارے غلام اور نابالغ تین مرتبہ تم سے اجازت لیں (1) نمازِ صبح سے پہلے (2) دوپہر کے وقت (3) نمازِ عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمھارے لیے حجاب کے ہیں۔ ان تین وقتوں کے علاوہ تم پر اور نہ ہی ان پر کوئی گناہ ہے جو تمھارے یہاں ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یوں ہی تمھارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔ اور جب لڑکے بالغ ہو جائیں تو وہ بھی اذن طلب کریں، جیسا کہ اس سے پہلے والوں نے اجازت مانگی (جیسا کہ پہلے مقام کی آیتوں میں ذکر کیا گیا کہ آزاد اور

☆ جامعہ ازہر، مصر، ای میل: shahalamsiwani@yahoo.com

بالغ لوگوں پر تمام اوقات میں اجازت طلب کرنا لازم ہے)

طلبِ اذن کی مشروعیت کے اسباب:

اسلام نے طلبِ اذن کو مشروع کیا، اس کے چند اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

(1) چونکہ اسلام ایک صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل دینے آیا تھا جس سے سماج اور معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی کی فضا قائم ہو اور ایک دوسرے کی تعظیم کا دور شروع ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے کچھ حدود متعین کیے جس کے دائرہ میں رہ کر انسان تاجِ کرامت پہن سکتا ہے، ان ہی احکام میں طلبِ اذن بھی ہے۔

(2) دورِ جاہلیت میں عربوں کی یہ عام عادت تھی کہ جب وہ لوگ کسی کے گھر میں داخل ہوتے تھے تو اہلِ خانہ سے اجازت لیے بغیر **حیّیتم صباحا حیّیتم مساء** کہتے گھر میں داخل ہو جاتے جبکہ عورتیں ایسی حالت میں ہوتیں کہ انھیں اس حالت میں دیکھنا انسانیت کے خلاف تھا اور ان کی نظر ان پر پڑتی تو عورتوں کو ناگوار گزرتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک انصاریہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی شخص مجھے دیکھے حتیٰ کہ میرے والد اور نہ میرے لڑکے، پھر بھی میرے والد گھر میں داخل ہوتے ہیں یہاں تک کہ میرے کمرے میں آ جاتے ہیں اور میں اسی حالت میں ہوتی ہوں۔ تو ایسی صورت میں میں کیا کروں؟ تو فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مستقل پاکیزہ قانون گھر میں داخل ہونے کے تعلق سے لے کر نازل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتاً... الخ (تفسیر قرطبی، ج12، ص213)

(3) تجارت اللہ رب العزت کی ایک ایسی نعمت ہے جس کی بنیاد پر انسان اپنی معاشی حالت کو صحیح اور جائز طریقے سے کامیاب بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں عرب بھی تجارت کرتے تھے، لیکن جب وہ لوگ اپنے ملک کے علاوہ کسی اور ملک میں جاتے تھے تو راستے میں آرام کرنے کے لیے یا رات گزارنے کے لیے کوئی ایسی مستقل جگہ نہیں ملتی جہاں وہ اپنے آپ کو غیروں کی نظروں سے چھپا سکیں اور ان اسفار میں صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی ہوا کرتی تھیں جس کی وجہ سے انھیں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، کیونکہ وہ رہائشی مکان کی طرح نہیں ہوا کرتے تھے اور نہ ہی لوگ اس میں اپنے گھر کی طرح رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان آیتوں (اِسْتِئْذان لِبُیُوت الخَاصة) کے نزول کے بعد عرض کیا کہ جب ہم لوگ شام کی جانب تجارت کی غرض سے جایا کرتے ہیں تو ہمارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوتی جہاں ہم تنہا رہ سکیں تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتاً... الخ (تفسیر قرطبی، ج12، ص213)

(4) یہ بات رہی رہائشی اور غیر رہائشی مکانوں میں داخل ہونے کے تعلق سے، لیکن اہم مسئلہ ایک ہی گھر کے مکینوں کا ہے کہ ان سے طلبِ اذن کی کیفیت کیا ہوگی؟ کن وقتوں میں وہ اذن طلب کریں گے؟ اس تعلق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک غلام کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس وقت وہ قیلولہ کر رہے تھے تاکہ وہ ان کو بلا کر لائے مگر لڑکا ان کی بارگاہ میں ناگوار حالت میں پہنچا تو آپ نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اجازت طلب کرنے کا حکم دے اور بغیر اذن کے کسی گھر میں داخل ہونے سے منع کرے تو بہتر ہوتا۔ (تفسیر قرطبی: ج12، ص304)

ایک دوسری روایت میں ذکر کیا گیا کہ اسماء بنت مرثد کے پاس ایک بڑا لڑکا تھا، وہ ان کے پاس ناپسندیدگی کی حالت میں داخل ہو گیا تو وہ حضور کی بارگاہ میں آئیں اور کہا ہمارے خدام اور ہمارے لڑکے غیر مناسب حالت میں داخل ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ج12، ص302)

گویا کہ حضرت عمر اور حضرت اسماء بنت مرثد نے اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا کہ وہ ایک ہی گھر کے مکینوں کے لیے ایسے احکامات اور قوانین نازل فرمائے جس کی وجہ سے گھر کے افراد پر بار نہ پڑے اور اختلاطِ فاسدہ واقع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس استدعا کو سن لیا اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لِیَسْتَأْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ... الخ.

طلبِ اذن کی کیفیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا اور ان کے لیے احکامات نازل فرما کر آسانیاں کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے اس کی خوب وضاحت فرمائی اور اس کے بعد ہمارے بزرگوں نے بھی کچھ آداب سکھائے، جن میں سے چند ہدایات واقوال حسبِ ذیل ہیں:

(1) دروازہ پر دستک دینے والے کو چاہیے کہ وہ تین مرتبہ اجازت طلب کرے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **استأذن احدکم ثلاثاً فلم یؤذن له فلیرجع.** (مسند احمد، مسند ابی موسیٰ اشعری، ج4، ص403) جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے تو اگر وہ اجازت نہ پائے تو واپس ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہی تھی کہ جب کسی کے یہاں تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ اجازت طلب کرتے اور جواب نہ ملنے پر واپس ہو جاتے۔ چنانچہ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ روایت کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰه تو حضرت سعد نے بہت ہی آہستہ آواز میں جواب دیا، تو حضرت

قیس فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا آپ رسولِ پاک کو اجازت نہیں دیں گے؟ تو انھوں نے کہا کہ ان کو چھوڑ دو تا کہ وہ ہم پر زیادہ سلامتی بھیجیں تو حضور نے پھر کہااَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰه اور جواب نہ ملا تو آپ لوٹنے لگے تو حضرت سعد آپ کے پیچھے پیچھے آئے اور کہا یا رسول اللہ! میں آپ کے سلام کو سن رہا تھا اور اس کا آہستگی سے جواب بھی دے رہا تھا تا کہ آپ ہم پر زیادہ سلامتی بھیجیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ لوٹ آئے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان، ج4، ص347، حدیث:5185)

تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کی حکمت یہ ہے کہ پہلی مرتبہ دروازے پر موجود شخص کی خبر ہو جائے۔ دوسری مرتبہ دستک دینے والے کو اجازت دینے یا نہ دینے کے لیے صاحبِ خانہ تیار ہو جائے۔ تیسری مرتبہ صراحتاً دخول یا عدم دخول کی اجازت دے دے یا دستک دینے والا خود ہی سمجھ جائے کہ ہمیں اجازت نہیں ملی یا گھر میں کوئی نہیں ہے۔

(2) دستک لگا تار نہ دے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر دے یہاں تک کہ صاحبِ خانہ اپنے معاملے سے فارغ ہو جائے اور دستک دینے والوں سے ملاقات کے لیے تیار ہو جائے۔

(3) طلبِ اذن پر اصرار نہ کرے یعنی یہ کہ دروازے کو اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک اس کو اجازت نہ مل جائے بلکہ تین مرتبہ اجازت لے، اجازت نہ ملنے پر واپس لوٹ جائے۔

(4) طلبِ اذن کے وقت دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہو بلکہ اس پر ضروری ہے کہ دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو تا کہ دروازہ کے کھلتے وقت اس کی نظر گھر کے اندر نہ پڑ جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے گھر پر آتے تو دروازہ کے سامنے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں جانب رہتے۔

(5) دستک دینے والے پر لازم ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ کون ہو تو وہ اپنا نام بتائے، یہ نہ کہے کہ 'میں' جیسا کہ بہت سارے لوگ کرتے ہیں، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے جواب کو ناپسند فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو حضور نے فرمایا: ''کون؟'' تو میں نے کہا ''میں''، تو حضور نے فرمایا ''میں میں'' گویا کہ آپ نے اس کو ناپسند فرمایا۔

چنانچہ صحابۂ کرام کی عادتِ شریفہ تھی کہ اجازت کے وقت اپنا نام صاف بتاتے جیسا کہ کتبِ حدیث وسیرت اس پر دال ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: **السلام علیک یا رسول اللّٰہ السلام علیکم** کیا عمر داخل ہو؟ (کتاب الادب، باب فی الرجل یفارق، ج4، ص351، حدیث520) اسی طریقہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا: **السلام علیکم** ابوموسیٰ اشعری ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب الاستئذان، ج3، ص1696، حدیث2154)

رہائشی مکان میں دخول کے آداب:

رہائشی مکان تین طرح کے ہوتے ہیں: (1) اجنبی کا مکان (2) اقارب کا مکان (3) اور خود اپنا گھر۔ سنت نبویہ نے ان تمام گھروں میں دخول کے آداب کو متعین کر دیا ہے۔ ہم اس کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

(1) اجنبی کے مکانات:

اللہ تعالیٰ نے طلبِ اذن کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی اور مولیٰ سبحانہ تعالیٰ نے اذن اور منع کا حق صاحبِ خانہ کو دیا ہے۔ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا (اور اگر تم سے کہا جائے لوٹ جاؤ تم لوٹ جاؤ)۔

کیونکہ حدیث نے انسان کا حق مقرر کیا کہ وہ اکیلے رہے اور خلوت میں تمام مشروع چیزیں کرے۔ کسی اور کو اس پر اطلاع کا حق نہیں۔ یہاں تک کہ کسی کے خط کے پڑھنے کی بھی اجازت نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من نظر فی كتاب أخيه بغير اذنه فانما ينظر فی النار** (سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعا، ج2، ص78، حدیث نمبر1485)

اس تعلق سے عدم دخول ہی اصل ہے مگر صاحبِ خانہ اجازت مرحمت کرے۔

(2) اقارب کے مکانات:

اس میں بھی دخول کے لیے اذن کی ضرورت ہے کیونکہ ''غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ'' میں یہ بھی داخل ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں عطا بن یسار نے روایت کی۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں اپنی ماں سے بھی اجازت لوں؟ تو حضور نے فرمایا: ہاں۔ اس شخص نے کہا: اگر چہ میں ان کی خدمت بھی کروں پھر بھی اجازت؟ حضور نے کہا: ان سے اجازت لو۔ اس شخص نے اس بات کو تین مرتبہ دہرایا تو حضور نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھو؟ تو اس شخص نے جواب دیا نہیں۔ تو حضور نے فرمایا: تم ان سے ہمیشہ اجازت لو۔ (موطا امام مالک، کتاب الاستئذان، باب الاستئذان، ج2، ص963، حدیث نمبر1729)

اسی طرح کی حدیث، بہن کے بارے میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (تفسیر طبری، ج18، ص111) اور عبداللہ ابن مسعود فرمایا کرتے تھے: **علیکم الاذن علی امھاتکم** ۔ تم پر اپنی ماؤں سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ (تفسیر طبری، ج18، ص112)

(3) اپنا خاص گھر

اس میں اپنی زوجہ کے علاوہ بہن یا ماں بھی رہتی ہو تو اجازت ضروری ہے

جیسا کہ گزرا، لیکن صرف بیوی ہی رہتی ہو تو اجازت کی ضرورت نہیں۔

ابن جریج نے عطا سے پوچھا: کیا مرد اپنی بیوی سے دخول کی اجازت طلب کرے؟ انھوں نے کہا نہیں، مگر یہ چیز عدم وجوب پر محمول ہے، ورنہ مناسب یہ ہے کہ اچانک داخل نہ ہو بلکہ آگاہ کر کے داخل ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کیا کرتے تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب فرماتی ہیں کہ جب بھی حضرت عبداللہ گھر میں داخل ہوتے تو کھکھارتے، کیونکہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ ہمیں ایسی حالت میں پائیں جو انھیں اچھا نہ لگے۔ (تفسیر طبری، ج18، ص112)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ سفر سے لوٹتے وقت مدینے سے باہر انتظار کرتے تا کہ عورتوں کو اپنے شوہروں کے آنے کی خبر ہو جائے اور وہ لوگ صاف ستھری ہو کر مزین ہو جائیں۔

غیر رہائشی مکان میں داخل ہونا:

غیر رہائشی مکان میں دخول کی اجازت عام ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہاں کوئی ضرورت ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**لیس علیکم....**''

ہاں اذن عام کی وجہ کسی ناجائز کام کے لیے داخل ہونا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَاتُبۡدُوۡنَ وَمَاتَکۡتُمُوۡنَ.

یہ اسلامی ادب اور اس کے مقرر کردہ قوانین عام گھروں میں داخل ہونے کے تعلق سے تھے، لیکن اب حالات کے ساتھ ساتھ لوگ بھی بدل چکے ہیں، یعنی یہ مکانات تو ظاہراً نفع عام سمجھے جاتے ہیں لیکن باطن میں فتنہ وفساد کے محور ہوتے ہیں اور یہ اسلامی ممالک میں بھی عام ہو چکا ہے جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ دن بدن اسلامی تہذیب وتمدن سے دور ہوتا نظر آ رہا ہے۔ (العیاذ باللہ)

ایک ہی گھر کے مکینوں کے لیے اذن کی کیفیت:

رہائشی اور غیر رہائشی مکانات میں داخل ہونے کا ذکر ہو چکا ہے، مگر ایک ہی گھر کے افراد کے لیے دوسرے کے بیڈروم میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کی ضرورت ہے یا نہیں خاص کر چھوٹے اور غلام و باندی کو کیونکہ عام طور پر ان کے لیے اجازت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ آیات کے بعد اس تعلق سے حکم نازل فرمایا۔ اس درمیان تمہید کے طور پر لوگوں کو اوامر اور نواہی کے بجالانے کا حکم دیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَ اُوۡلٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. (سورہ نور: 51)

یہ تمہید اس لیے ہے تا کہ لوگ آنے والے حکم کی پیروی اچھی طرح سے کریں کیونکہ ایک ہی مکیں کے لوگوں کے درمیان اختلاط اور فساد کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔

داخلی امور میں قاعدہ اساسی یہ ہے کہ خدام اور نابالغ بچے بغیر اذن طلب کیے داخل ہوں مگر تین اوقات اور بالغ ہمیشہ اذن طلب کریں۔

بچے اور خدام جو ہمیشہ گھروں میں آتے جاتے رہتے ہیں ان کے لیے خاص حکم ہے مگر تین اوقات میں انھیں بھی اجازت کا حکم دیا گیا، کیونکہ انسان کے لیے کچھ ایسے اوقات ہونے چاہئیں جس میں وہ آزادانہ طور پر زندگی گزار سکے۔ وہ تین وقت یہ ہیں:

(1)**نمازِ فجر سے قبل**: کیونکہ اس وقت تک آرام کرنے کی عادت عام ہے۔ فجر سے کچھ ہی پہلے انسان بیدار ہوتا ہے تو فوراً اسے اپنے چہرہ، ہاتھ اور پیر وغیرہ دھونے کی ضرورت پڑتی ہے، پھر اس کے بعد اپنے لباس کو تبدیل کرتا ہے تو اس سے پہلے تک دخول یقیناً مکروہ ہے۔

(2)**نمازِ عشاء کے بعد**: یہ ایسا وقت ہوتا ہے جس میں انسان اپنے ہر کام سے فارغ ہو کر آرام کرنے کی غرض سے اپنے بستر پر جاتا ہے تو عام لباس کو اُتار کر رکھ دیتا ہے اور لباسِ خواب کو پہنتا ہے اور بسا اوقات مجامعت کی جانب بھی راغب ہوتا ہے۔

(3)**قیلولہ کے وقت**: یہ انسان کی فطرت ہے کہ دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد چند لمحہ آرام کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کو قیلولہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس وقت انسان کس حالت میں اپنے گھر کے اندر آرام کر رہا ہے نہیں معلوم، لیکن اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں بلکہ ظروف کے مطابق وقت میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔

یہ اوقاتِ ثلاثہ ہیں، جس میں انسان کو خلوت وتنہائی ہوتی ہے، جس میں ممکن ہے کہ اس کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کھلا ہوا ہو جس سے اس کو شرم آتی ہے، تو ایسے اوقات میں بچے اور غلام کو بھی اجازت طلب کرنی پڑے گی۔

اخیر میں قارئین کو یہ بتلانا چاہوں گا کہ میرے اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

(1) بالغ، نابالغ اور غلام کے حکم مختلف ہیں۔ بالغ کے لیے ہمہ وقت طلبِ اذن لازم ہے لیکن نابالغ اور غلام کے لیے مذکورہ اوقاتِ ثلاثہ کے علاوہ اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔

(2) شوہر کو بیوی کے پاس آنے کے لیے اجازت کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ حدیث پاک میں مذکور ہے۔ باقی تمام اقارب کے لیے اذن لازمی ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ان احکامات کے ذریعہ مومن کے گھر کو محفوظ بنا دیا اور فتنہ وفساد سے پاک کرنے کی دوائیں بتائیں۔ اس وجہ سے غیروں کے لیے ضروری ہے کہ اجازت لے کر ہی داخل ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو سکے اور مومن اپنے گھر میں محفوظ رہ سکیں۔ ◻◻

احادیثِ درود و سلام

مولانا کوثر امام قادری ☆

رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا باعث برکات و حسنات اور شرفِ فضیلت ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے اس کی اہمیت واضح ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں درود کا ورد کیا جائے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں خواہ درود پڑھنے والا کوئی ہو اور کہیں ہو۔ اسی عنوان سے متعلق چند حدیثیں پیش کرنے کا خیال ہے لیکن اہلِ علم کی ضیافتِ طبع کے لیے پہلے حکم درود سے متعلق آیات کریمہ سپردِ قلم کرنا چاہتا ہوں، پھر وہ حدیثیں پیش کروں گا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے درود وسلام کو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. (قرآن شریف، پارہ22)

قرآنِ مقدس کی ایک ایک آیت پڑھ جایئے، ایمانیات، عبادات، سماجیات اور ہر طرح کے احکام بیان کیے گئے، افادات پر روشنی ڈالی گئی، اچھوتے ونرالے انداز میں سمجھایا گیا، مشاہداتی مثالوں کے پیرائے میں ذہن سازی کی گئی، مگر حکم درود کے موقع پر جو پیرایۂ بیان واسلوبِ کلام اپنایا گیا وہ شاید ہی کسی اور موقع پر اپنایا گیا ہو۔

حکم سے پہلے انتہائی جامع پر بلیغ تمہید باندھی گئی جس میں چن چن کر ایسے کلمات استعمال کیے گئے جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ دیکھنے میں بڑا ہی سہل، سلیس، آسان ہر جگہ استعمال ہونے والے الفاظ مگر شائستہ الفاظ نے شوکتِ مفہوم کو کس جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے، کلمات کی انوکھی ترتیب کس خوبی کے ساتھ پر شکوہ مطالب کو اپنے دامن میں لے کر آئندہ حکم کی عظمتِ شان کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ قلم حیطۂ قلم میں لانے سے قاصر ہے۔ عمدہ ترکیب وانتخابات نے تمہید کے اندر وہ خوبی پیدا کر دی ہے کہ قاری پڑھتے ہی آنے والے حکم کے انتظار میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ اُٹھے، نگاہیں مشتاق اور دل بے قرار ہو جائے۔

تمہید حکم:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ.

اے ایمان والو! نبی پر خوب خوب درود وسلام پڑھو۔

بات اتنی سی ہے۔ کلام بظاہر کتنا مختصر ہے۔ صرف درود وسلام پڑھنا، مگر تمہیدی کلمات شوق بھی دلا رہے ہیں اور سرکش انسان کے قلوب واذہان کو جھنجھوڑ بھی رہے ہیں۔ نادان انسان کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کر رہے ہیں اور نجاتِ اخروی کی بشارت بھی دے رہے ہیں۔ اگر آپ تمہیدی کلمات کے ایک ایک جز پر نظر ڈالیں تو یہ حقائق منکشف ہوتے نظر آئیں گے۔

اِنَّ: علمی زبان میں اسے حرف تحقیق وتاکید کہتے ہیں۔ مخاطب جب کسی حکم وخبر کے سلسلے میں متردّد یا منکر ہو اور اس کے شک وارتیاب کو زائل کر کے عرفان وایقان بخشنا ہو تو آغازِ کلام میں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اب ذرا غور کیجیے! حکم درود نازل ہو رہا ہے، قرآن کی آیت کریمہ تشریف لا رہی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. اس آیت وحکم کے اوّل مخاطبین صحابہ کرام ہیں۔ وہ صحابہ جو کسی بھی قرآنی احکام کے بارے میں متردّد نہیں، انھوں نے ہر قسم کے شبہات سے پاک ہو کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کو مانا، اللہ کی وحدانیت وحاکمیت، بلندی وبزرگی کو تسلیم کیا اور اس طرح تسلیم کیا کہ معلوم تاریخِ انسانی میں ان کی نظیر نہیں ملتی، اشارۂ ابرو پر ترکِ وطن کیا، مال ومتاع محبوب کے قدموں میں ڈال دیا، جان واولاد، بیوی، بچے سب کچھ ان کی رضا کے لیے قربان کر دیا، وہ صحابہ جن کی شان ہے رضی اللّٰہ عنھم، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان، اطاعت، عبادت، جہاد، خدمات سب سے راضی ہو گیا۔ ورضوا عنہ اور وہ لوگ اللہ کی جنت، بخشش، عطا، غفران، انعام اور اکرام سے راضی ہو گئے۔ کیا ایسے نورانی صفات اشخاص کو بھی حکم خداوندی میں تردّد ہو سکتا تھا؟ کیا ان کے دلوں میں بھی شک وارتیاب کا گزر ہو گا؟ نہیں اور بالکل نہیں، تو پھر اس حرف کا مقصدِ استعمال کیا ہے؟ تو بات یہ ہے کہ یہ حرف یہاں تردّد وانکار کو دُور کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ آنے والے جملے کی عظمتِ مقام اور اہتمامِ شان کے لیے ہے، سبحان اللہ!

اَللّٰہ: اللہ عزوجل کے ایک ہزار اسما ہیں۔ تین سو تورات میں، تین سو زبور میں، تین سو انجیل میں، 99 قرآنِ مقدس میں اور ایک اس کے علم

☆ استاذ: دارالعلوم قدوسیہ فخر العلوم، پرسونی بازار، مہراج گنج، یوپی

خاص میں ہے۔ قرآن میں رحمٰن، رحیم، کریم، غفور، ستار وغیرہ اسما استعمال ہوئے ہیں۔ اس کلمۂ جلالت کو چھوڑ کر بقیہ کسی بھی اسم صفت کا استعمال ہوسکتا تھا اور معنوی خوبی علی حالہٖ برقرار رہتی، مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہر ایک کے جداگانہ اور مخصوص معانی ہیں اور ہر اسم کی خاص صفت پر دلیل ہے، کسی ایک یا دو کمال کی طرف مشیر ہے، مگر کلمۂ جلالت کے بارے میں اہلِ علم تشریح کرتے ہیں کہ یہ علم ہے اس ذات کا جو عالم صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ گویا کلمۂ جلالت کے پُرجلال مفہوم نے ذہنِ انسانی کو متوجہ کیا کہ تمھیں جو خوبیاں ملی ہیں، کمالات ملے ہیں، یہ ناقص ہیں، نیز کسی کو ایک خوبی ملی، کسی کو دو خوبیاں ملیں اور کسی کو تین ملیں اور وہ سب کی سب عارضی ہیں، محدود ہیں، ناقص ہیں، حادث اور مٹنے والی ہیں، مگر اللہ کی ذات ایسی ہے جو صرف ایک دو یا چار خوبیوں کا نہیں بلکہ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جب ایسی ذات اپنے محبوب پر درود وسلام بھیج رہی ہے تو تمھیں بھی بھیجنا چاہیے۔ سبحان اللہ!

مَلٰٓئِکَتَہ: ملائکہ کی اضافت ضمیر کے واسطے کلمۂ جلالت کی طرف کرکے ان کے شرف و بزرگی کو واضح کیا۔ یہ فرشتے جو معصوم ہیں، خطاب و گناہ سے پاک ہیں اور ارتکابِ جرائم سے منزہ ہیں، نہ تو انھیں جنت کی خواہش ہے نہ جہنم کا خوف، نہ انھیں عذابِ قبر کے مراحل سے گزرنا ہے نہ تو میزانِ عمل پر محاسبہ اعمال سے۔ وہ سب سے فزوں تر ہیں۔ اس کے باوجود وہ نبی پر سلام بھیج رہے ہیں جبکہ تم قدم قدم پر محتاجِ رسولِ رحمت ہو، حصولِ ہدایت میں، قبر کی دُنیا میں ان کی شفاعت و رحمت چاہیے، ان کی مبارک زندگی، بافیض حیات قدسیہ تمھارے لیے دستگیر ہے تو پھر تمھیں بدرجۂ اتم درود وسلام بھیجنا چاہیے۔

یُصَلُّوْنَ: یہ جملہ فعلیہ ہے جو تجدد واستمرار کو بتاتا ہے۔ گویا درود وسلام کا عمل کسی ایک بار اتفاقی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ کام بار بار ہورہا ہے۔ صبح میں بھی، شام میں بھی، دن میں بھی، رات میں بھی، ہر گھڑی، ہر وقت یہ کام جاری ہے۔ ان میں اشارہ ہے کہ درود وسلام کا جو حکم دیا گیا ہے وہ کسی وقت، کسی لمحہ سے مقید نہیں ہوگا۔

اللہ کریم نے اپنی عبادت کا حکم دیا تو ان کے لیے اوقات مقرر کیے مگر محبوب پر سلام کے لیے کوئی مقرر وقت نہیں، یہ پابندیِ اوقات سے ماورا ہے، جسے حکم ملے وہ کسی خاص وقت کا انتظار نہ کرے بلکہ چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، قیام وقعود، ہر لمحہ، ہر گھڑی محبوب کی بارگاہ میں خراجِ محبت پیش کرتا رہے۔

عَلٰی: یہ حرف بلندی واستعلا کے لیے لایا جاتا ہے مگر یہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیِ مرتبت پر دلیل کے لیے لایا گیا ہے۔

اَلنَّبِی: حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکڑوں صفاتی اسما ہیں: احمد، مصطفٰی، مرتضٰی، مجتبٰی، رسول وغیرہ مگر سب میں سے منتخب کرکے یہاں النبی کہا گیا جس کا سبب یہ ہے کہ نبی کا معنی ہے غیب بتانے والا اور جو غیب بتائے گا اُسے غیب کی خبر ہوگی۔ گویا یہاں النبی لاکر ہلکا سا اشارہ کیا گیا کہ تم کہیں سے بھی درود وسلام پڑھو، جس مقدس رسول کی بارگاہ میں ہدیۂ محبت پیش کررہے ہو وہ بے خبر نہیں بلکہ باخبر ہے۔ اس کی نگاہوں سے تمھارا عمل پوشیدہ نہیں، تمھارا کام نظرِ رحمت کے سامنے اظہر من الشّمس ہے۔

انتہائی جامع وبلیغ تمہید کے بعد اب درود وسلام کا حکم دیا جارہا ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ جس حکم کے بیان کے لیے اس قدر اہتمام کیا جائے اور اسی کے تعلق سے حضور کی حدیثیں خاموش رہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً جتنی حدیث کی کتابیں ہیں سب میں اسی برکات وحسنات والے عمل کی فضیلت واہمیت کو اُجاگر کرنے والی حدیثیں وافر مقدار میں موجود ہیں اور بعض محدثین نے مستقل کتابیں فضائلِ درود وسلام کے عنوان پر تصنیف فرمائی ہیں۔ سردست ان میں صرف چند حدیثیں حصولِ برکت کے لیے نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے ناتواں قلم کو اس عنوان پر کچھ لکھنے کا شرف حاصل ہوجائے۔ مولیٰ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت سے ہمکنار فرمائے۔ (آمین)

(1)عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ صلی علی صلی اللّٰہ علیہ عشر صلوات و حط عنہ عشر خطیئات. (ترمذی شریف، جلداوّل، ص64)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور دس گناہ مٹادیتا ہے۔

(2)عن اُبی ابن کعب رضی اللّٰہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا ذھب ربع اللیل قال یا ایھا الناس اذکروا نعمة اللّٰہ یا ایھا الناس اذکروا جاء ت الراجفة تتبعھا الرادفة جاء الموت بما فیہ فقال اُبی بن کعب یا رسول اللّٰہ! انی اکثر الصلوٰة علیک فکم اجعل من صلوتی قال ماشئت. (مستدرک للحاکم، جلد دوم، ص558)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہار شب گزر جانے کے بعد کھڑے ہوکر فرماتے اے لوگو! خدا کو یاد کرو آئی راجفہ، اس کے بعد آتی ہے رادفہ۔ آئی موت ان چیزوں

کے ساتھ جو اس میں ہیں، میں نے عرض کی یارسول اللہ! میں دعا بہت کیا کرتا ہوں، اس سے بطور درود شریف کس قدر مقرر کروں؟ فرمایا جتنی چاہو۔

(3)عن عبداللّٰہ ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلوٰۃ. (معجم کبیر طبرانی، جلد10، ص22)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود وسلام پیش کرتا ہوگا۔

(4)عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ اکثروا من الصلوٰۃ علیّ فی کل یوم جمعۃ فان صلوٰۃ امتی تعرض علیّ فی کل جمعۃ فمن کان اکثرھم علیّ صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ. (مصنف ابن عبدالرزاق، جلد3، ص205)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ہر جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود پاک پڑھو کہ میری امت کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے تو جو مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پاک پڑھے گا وہ مجھ سے قریب رہے گا۔

درود پاک کی اہمیت وفضیلت تو بلا اختلاف سب کے یہاں مسلم ہے۔ اب رہ گئی بات کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری درود پاک کو سماعت فرماتے ہیں یا نہیں؟ جمہور محدثین وفقہاء، اولیا وصوفیہ کا مسلک وموقف یہ ہے کہ آپ بذاتِ خود سماعت فرماتے ہیں جبکہ حاسدین ومعاندین اور فضیلت سرکار کے منکرین کا گمراہ کن عقیدہ یہ ہے کہ آپ مرکر مٹی میں مل گئے۔ **نعوذ باللّٰہ من ذالک**۔ ایسے محروم قسمت وبدنصیب وبدبخت انسان کے لیے قرآن مقدس کی آیات اور احادیث رسول کے کلمات کی تشریح وتوضیح تو بے سود ہے، یہ ماننے والے نہیں، چاہے تحقیق کا دریا بہادیا جائے یا دلائل وبراہین کا سمندر اُنڈیل دیا جائے۔

دلائل وبراہین اور آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر، احادیث رسول کی تحقیق وتوضیح تو ان مسلمانوں کے لیے ہے جو اپنے رب کے فضل وکرم سے صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔ دلیلیں تو ان کے ایمان وعقیدے میں جلا واستقامت پیدا کرتی ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے قدموں میں ثبات وقوت فراہم کرتی ہیں۔ ان ہی مسلمانوں کے عشق وایمان میں حلاوت اور عقیدے میں پختگی پیدا کرنے کے لیے یہاں چند مسئلوں کی تحقیق پیش کی جارہی ہے۔

(5)عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشہود شھدہ الملئکۃ لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صوتہ حیث کان. (معجم کبری طبرانی، حجۃ اللہ علی العلمین، ص713، جلاء الافہام ابن قیم، ص72)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر بروزِ جمعہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرو کیوں کہ یہ حاضری کا دن ہے۔ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں، کوئی شخص بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔

حضرت امام محمد بن یوسف صالح فرماتے ہیں:

(6)ورواہ الطبرانی بلفظ لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صوتہ حیث کان و رجالھما ثقاف. (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد12، ص358)

اور طبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: کوئی بندہ بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے، ان دونوں کے رواۃ ثقہ ہیں۔

محدثین نے حدیث طبرانی کے متعدد شواہد پیش کیے ہیں۔ مثلاً:

(7)عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللّٰہ قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول ان اللّٰہ وعدنی اذامت ان یسمعنی صلوٰۃ من صلی و انا فی المدینۃ و امتی فی مشارق الارض و مغاربھا و قال یا امامۃ ان اللّٰہ تعالیٰ یجعل الدنیا کلھا فی قبری و جمعی ما خلق اللّٰہ اسمعہ و انظر الیہ. (درۃ الناصحین، ص225)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ جب میرا وصال ہوگا تو مجھ پر درود پڑھنے والے کا درود وہ سنائے گا حالانکہ میں مدینہ منورہ میں ہوں گا اور میری امت زمین کے مشرق ومغرب میں ہوگی اور فرمایا: اے ابوامامہ ساری دُنیا کو میرے روضہ شریف میں کردے گا اور میں تمام مخلوقِ خداوندی کی آواز سنوں گا اور اسے ملاحظہ فرماؤں گا۔

حضرت محمد بن عثمان میرغنی فرماتے ہیں:

(8) انہ ﷺ یسمعک ویراک ولو کنت بعیدا فانہ یسمع باللّٰہ ویری بہ فلایخفی علیہ قریب و لابعید. (سعادۃ الدارین امام نبھانی، ص508)

بیشک وہ تیرے درود پڑھنے کو سنتے اور تجھے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ تو دوردراز مقام پر رہے کیونکہ آپ اللہ کی طاقت سے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ آپ پر نہ ہی کوئی قریب کی چیز پوشیدہ ہے نہ ہی دور کی۔

(9) اعلم ان کتب السنة متضمنة لاحادیث دالة علی ان روح النبی ﷺ ترد علیه وانه یسمع و یرد علیهم السلام. (تحقیق النضرة، ص116)

جاننا چاہیے کہ کتب حدیث ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی روح لوٹا دی گئی ہے اور درود وسلام خود سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

مجدد اسلام حضرت یوسف بن اسماعیل نبہانی فرماتے ہیں:

(10)و یوید سماع النبی ﷺ سلام من یسلم علیه من بعید و قریب مشروعیة السلام علیه فی التشهد فی الصلوٰة بصیغة الخطاب اذ یقول المصلیّ السلام علیک ایها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته فلو لم یکن ﷺ حیا یسمع جمیع المصلّین اینما کانوا باسماع اللّٰه له ذلک لما کان لهٰذا الخطاب معنی. (شواہد الحق، ص283)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کے سلام کو جو آپ پر دور و قریب سے بھیجتا ہے سننے پر تائید کرتا ہے وہ نماز کے تشہد میں سلام کا جواز ہے کہ وہ صیغہ خطاب ہے جبکہ نمازی کہتا ہے **السلام علیک ایها النبی و رحمة اللّٰه و برکاته**۔ پس اگر آپ زندہ نہیں ہیں اور تمام نمازیوں سے چاہے وہ کہیں بھی ہوں درود وسلام نہیں سنتے تو اس خطاب کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتا۔

(11)عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه ﷺ قال: ما من احد یسلم علیّ الارد اللّٰه روحی حتیٰ ارد علیه السلام. (سنن ابوداؤد باب زیارۃ القبور، مسند احمد بن حنبل، جلد2، ص527، معجم اوسط طبرانی، جلد3، ص387)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو متوجہ اور خوش کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

یہ حدیث صحیح سند سے مروی ہے اور صحیح ہے۔

مام بخاری فرماتے ہیں:

باسناد حسن بل صححه النووی۔ (القول البدیع، ص155)

اس کی اسناد حسن ہے بلکہ امام نووی نے اس کو صحیح فرمایا۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی فرماتے ہیں: **وروی الامام احمد ابوداؤد والبیهقی بسند صحیح.** (سبل الہدی والرشاد، جلد12، ص256)

امام احمد وابوداؤد اور بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

وهذا اسناد صحیح (شفاء السقام، ص41) اور یہ سند صحیح ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

قال النووی فی الاذکار اسناده صحیح وکذا قال فی الریاض وکذا قال ابن حجر رواته ثقات. (تحفۃ الذاکرین، ص28)

امام نووی نے اذکار میں کہا کہ اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ ریاض الصالحین میں ہے اور اسی طرح امام ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

علامہ ابن قیم جوزیہ نے کہا:

وقد صح اسناد هٰذا الحدیث. (جلاء الافہام، ص19)

اور اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

بعض لوگوں نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا کہ جب کوئی بندہ سلام بھیجتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ مبارکہ جسم پاک میں لوٹا دیتا ہے، وہ روح جواب دیتی ہے اور پھر چلی جاتی ہے، اس کے بعد آپ کا جسم پاک یہاں بے حس وجان قبر میں پڑا رہتا ہے۔ **استغفر اللّٰه، معاذ اللّٰه**

یہاں روح کے لوٹائے جانے سے کیا مراد ہے ذرا اسے دیکھتے چلیں۔

حضرت علامہ ابن العماد فرماتے ہیں:

یحتمل ان یراد به هنا السرور مجازاً فانه قد یطلق ویراد به ذلک. (الجوہر المنظم لابن حجر مکی، ص24) احتمال یہ ہے کہ یہاں ردّ روح سے مراد سرور اور خوشی ہو مجازی طور پر کیونکہ اس کا اطلاق عام طور پر خوشی وسرور کے معنی میں ہوتا ہے اور اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے۔

حضرت امام سبکی فرماتے ہیں:

یحتمل ان یکون ردا معنویا وهو ان یکون روحه الشریفة مشتغلة بشهود الحضرة الالهیة والملا الاعلی من هذا العالم فاذا سلم علیه اقبلت روحه الشریفة علی هذا العالم فیدرک سلام من یسلم علیه و یرد علیه. (شفاء السقام، ص50، 51)

اس میں احتمال ہے کہ ردّ روح سے مراد معنوی ہے، کیونکہ آپ کی روحِ مبارکہ اس جہاں سے بے نیاز ہو کر بارگاہِ الٰہی اور ملاء اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے سو جب بھی کوئی شخص سلام بھیجتا ہے تو آپ کی روح طیبہ اس جہاں کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تاکہ سلام کا ادراک کر کے سلام کرنے والے کا جواب دے سکے۔

مذکورہ سطور سے معلوم ہوا کہ ہمارے درود وسلام کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود سماعت فرماتے ہیں اور سلام کا جواب عطا فرماتے ہیں۔

عن عمار بن یاسر رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ یا عمار ان اللّٰہ تعالیٰ اعطی ملکاً من صلوٰۃ وفی روایۃ البزار فلا یصلی علی الملئکۃ اسماع الخلائق کلھا فھو قائم عند قبری الی ان تقوم الساعۃ فلیس احد یصلی علی احد الی یوم القیامۃ الا ابلغنی باسمہ و اسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قد صلی علیک. (الضعفا الکبیر امام عقیلی، جلد 3، ص 249، مسند البزار، جلد 4، ص 47، القول البدیع، ص 112)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمار! اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے تمام مخلوق کی بات سن لینے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ قیامت تک وہ میری قبر منور پر کھڑا رہے گا، جو کوئی بھی مجھ پر درود پڑھے گا یہ فرشتہ وہ درود مجھ کو پہنچا دے گا۔ اور بزار کی روایت میں ہے کہ جو کوئی تا قیامت مجھ پر درود پڑھے گا تو وہ فرشتہ اس آدمی کا نام اور اس کے باپ کا نام لے کر (یہ عرض کرتے ہوئے) کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے مجھے پہنچائے گا۔

حضرت علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں:

ای قوۃ یقتدر بھا علی سماع ماینطق بہ کل مخلوق من انس و جن و غیرھما. (فیض القدیر شرح جامع صغیر، جلد 2، ص 483)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو کوئی قوت عطا فرمائی ہے کہ انسان اور جن اور اس کے سوا تمام مخلوقِ الٰہی کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے اس کو سنتا ہے۔

ابن قیم نے لکھا ہے:

قد صح عنہ ان اللّٰہ و کل بقبرہ ملائکۃ یبلغون عن امتہ السلام. (کتاب الروح، ص 73)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر پر فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو آپ کی امت کا سلام آپ کو پہنچاتے ہیں۔

جب بذاتِ خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے درود و سلام سماعت فرماتے ہیں تو پھر فرشتے مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خالقِ کائنات عالم الغیب والشہادہ پروردگار عالم ساری کائنات کو دیکھ رہا ہے، لوگوں کے اعمالِ خیر و شر سے آگاہ ہے، اس کے باوجود فرشتے مقرر ہیں جو لوگوں کے اعمال کی رپورٹ تیار کر رہے ہیں اور آپ کے حضور پیش کر رہے ہیں، تو اس سے لازم نہیں آتا کہ رب ان چیزوں سے غافل ہے جب ہی تو فرشتے یہ کام کر رہے ہیں۔

یہ تو نظامِ قدرت ہے کہ سارے اختیارات، علو مقدرت ہونے کے باوجود رب قدیر نے فرشتے پیدا کیے اور انھیں مختلف کاموں کو انجام دینے کی ڈیوٹی مرحمت فرمائی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فرشتے اسی لیے درود پہنچاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر ہیں حالانکہ ان بے خبروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ بات وہ نہیں ہے جو تم نے سمجھی ہے بلکہ صحیح بات تو وہ ہے جو ایک غلط آدمی کے منہ سے بے خبری کے عالم میں نکل گئی ہے۔ یہ تو رب کی شان ہے کہ کبھی کبھی باطل کا سربراہ بھی حق کی نمائندگی کر جاتا ہے۔ چنانچہ دیوبندیوں کے مقتدر عالم مولانا انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے:

واعلم ان حدیث عرض الصلوٰۃ علی النبی ﷺ لایقوم دلیلاً علی نفی علم الغیب و ان کانت المسالۃ فیہ ان نسبۃ علمہ ﷺ علمہ اللّٰہ تعالیٰ کنسبۃ المتناھی بغیر المتناھی لان المقصود یعرض الملٰئکۃ ھو عرض تلک الکلمات بعینھا فی حضرتہ العالیۃ علمھا من قبل او لم یعلم کعرضھا عند رب العزۃ رفع الاعمال الیہ فان تلک الکلمات مما یحیا بہ وجہ الرحمٰن فلا ینفی العرض العلم فالعرض قد یکون للعلم واخری لمعانی اخر فاعرف الفرق. (فیض الباری شرح بخاری، جلد 2، ص 302)

جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش کرنے کی حدیث آپ کے علم غیب کی نفی پر دلیل نہیں بن سکتی اگر چہ علم غیب کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اللہ کے علم کے ساتھ متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے کیونکہ فرشتوں کے پیش کش کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ درود شریف کے کلمات بعینہا بارگاہِ عالیہ نبویہ میں پہنچ جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو، بارگاہِ رسالت میں کلمات کی پیش کش بالکل ایسی ہے جیسے رب العزت کی بارگاہ میں جو کلمات طیبات پیش کیے جاتے ہیں اور اس کی بارگاہِ الوہیت میں اعمال اُٹھائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ساتھ ذاتِ حق تعالیٰ کو تحفہ پیش کیا جاتا ہے اس لیے یہ پیش کش علم کے منافی نہیں۔ لہٰذا کسی چیز کا پیش کرنا علم کے لیے بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات دوسرے معانی کے لیے بھی، اس فرق کو خوب پہچان لیا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم گنہگار امت کی درود وسلام کو حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود سماعت فرماتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ کثرت کے ساتھ درود وسلام کا ورد کریں اور صلوٰۃ وسلام کے رواج کو فروغ دیں۔ مولیٰ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ◻◻

مپندار سعدیؔ کہ راہ صفا

مفتی محمد علاؤ الدین قادری رضوی ☆

حضرت ڈاکٹر وصیؔ واجدی نیپالی صاحب کہتے ہیں ؎

زبان دھولو گلاب جل سے یا عطر ریزی کرو کنول سے
یہ سارے آداب پھر بھی کم ہے نبی کے ذکرو بیاں سے پہلے

مقام نبوت ورسالت کا کیا کہنا اور جب خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت اور ذکر وبیان کی بات آئے تو آداب ولحاظ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو تقاضۂ ادب کا طالب ومتمنی نہ ہو۔جسم وجان کی ہر عضو پر ادب کا پہرا ہوتا ہے پھر بھی ہم ناکاروں کو ادب واحترام کی بجا آوری میں جو تمیز ہے وہ بھیک بھر کی ہے۔عاشق رسول امام احمد رضا قادری برکاتی کہتے ہیں ؎

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

رفعت وبلندی کا ہر مقام ومنصب رسول گرامی وقار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صدقہ ہے۔بلکہ ایمان باللہ کے بعد ایمان وترقی کا ہر محور ایمان رسول، محبت رسول اور عشق رسول ہی پر منحصر ہے۔ یہ وہ ذات ہے کہ جن کی تخلیق اظہار ربوبیت کا سبب عظیم ہے۔اور جن کی موجودگی آدم اور آدم زاد کے لیے نور و بصیرت ہے۔ ذکر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مرض اور درد وغم کے لیے تریاق ہے۔ سورج کی شعائیں، تاروں کی چمک دمک آسمان کی رنگینیاں، دن کی روشنی، سبزہ کی سرسبز وشادابی، سمندروں کا طوفان، دریاؤں کی روانی، موسم کی بہار، چرند وپرند کا چہچہانا، پھلوں کے مختلف ذائقے، پھولوں کی مہک غرض تمام حیوانات، جمادات اور نباتات کی تمام تر خوبیاں اور ان کے تغیر وتبدل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی مرہون ہے۔اللہ عزوجل کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کا اندازہ کون ہے جو لگا سکے۔ یہ وہ ذات ہے کہ جنہوں نے بے جان پتھر میں جان ڈال دی۔کیا دیکھا، سنا اور پڑھا نہیں کہ کنکریاں کلمہ گو ہوگئیں، ہرن گواہی پر آمادہ ہوئیں۔اونٹ آپ کی خدمت اقدس میں سرخم کیا۔خشک شاخ ہری بھری ہوگئی، کھجور کی بے جان شاخ تلوار بن گئی، اندھوں کو بینائی مل گئی، پیدائشی گونگے آپ کی رسالت و حقانیت کی گواہی دینے لگے، دست مبارک پھیر دینے سے دیوانے کا جنون جاتا رہا، دم کردینے سے کٹے ہوئے بازو جڑ جائیں، آپ کی آواز پر مردہ قبر سے باہر نکل کر ہم کلامی کا شرف پائے، ملائکہ مدد کو حاضر ہوں، جنات وشیاطین آپ کے مطیع وفرمابردار ہوجائیں، دعا سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے، یہ ہے کمالِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔امام عشق ومحبت رضا بریلوی کہتے ہیں ؎

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چِر گیا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات جان ایمان اور سرورِ قلوب و اذہان ہے۔آپ کی محبت قلب وروح کی پاکیزگی کا سامان، متاع دین ودنیا اور آخرت میں بخشش کا موجب ہے۔رب نے کونین کی نعمتوں کی کنجیاں آپ ہی کی دست شفقت اور اختیار میں دے دیا ہے۔آپ شفیع المذنبین ہیں، ساری امیدیں انہیں سے وابستہ ہیں۔وہ نہ ہوں تو کچھ نہیں، وہ ہوں تو جہان ہیں۔امام احمد رضا قادری برکاتی کہتے ہیں ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت امت پر لازم کر دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَسْتَاذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُھُمْ فَھُمْ فِیْ رَیْبِھِم یَتَرَدَّدُوْنَ. (۴۴ سورہ التوبہ)

تم سے یہ چھٹی وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں تو وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہیں۔(کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں مفسر قرآن حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

(منافقین) نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے نہ کفار کے ساتھ رہ سکے نہ مومنین کا ساتھ دے سکے۔

اس آیۂ مبارکہ کی تلاوت سے خالق اکبر کا واضح اعلان آپ کو معلوم ہو گیا۔اب حدیث رسول بھی ملاحظہ کرلیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کی اولاد، اور اس کے ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف)

☆بانی وسربراہ انجمن ثنائیہ دارالیتمیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ، میرا روڈ، مہاراشٹر موبائل: 09224455977

شرح الشفا میں ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک آپ مجھے میرے اہل و مال سے زیادہ محبوب ہیں اور بے شک جب مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو مجھ میں صبر کی قوت نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جمال اقدس کے دیدار سے مشرف نہ ہو جاؤں۔ اور بے شک جب مجھے اپنی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موت کی یاد آتی ہے تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کے بلند وبالا درجات میں ہوں گے اور میں جنت میں داخل ہو کر نچلے درجے میں ہوں گا اور پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکوں گا تو کیسے صبر آئے گا۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرما کر مومنین کے لیے صبر و ایقان کی دولت فراہم کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (سورہ نساء، آیت 69)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ (کنزالایمان)

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔

ایک حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کی یہ تمنا ہوگی کہ اپنے اہل و مال کے بدلے مجھے دیکھ لیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۸۳)۔

ایک جگہ وارد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا: خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کو اپنے مال، اولاد، آبا و امہات اور شدت پیاس کے وقت جو پانی کی طلب ہوتی ہے کہیں اس سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ اسی طرح بیہقی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کا اسلام قبول کرنا مجھے اپنے باپ خطّاب کے اسلام قبول کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یہ اس وجہ کہ آپ کا اسلام قبول کرنا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔ آپ اس واقعہ سے حضرات صحابہ کی محبت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ چونکہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عشق و سرمستی کی دنیا ہی الگ تھی۔ ہر ذرہ اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا اور کیوں نہیں کہ وہ سب محبوبِ خدا تھے۔

دیکھیے حضرت زید جب یوم الرجیع میں گرفتار کر لیے گئے اور کفار مکہ کے ہاتھوں انہیں فروخت کر دیا گیا اور جب انہیں قتل کے لیے حرم سے نکالا گیا تو ابوسفیان بن حرب بن امیہ نے کہا (آپ ابھی اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے) اے زید! کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیری جگہ لا کر قتل کر دیں اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے تاکہ تو اپنے اہل وعیال میں آرام سے رہ سکو۔ حضرت زید نے جواب دیا: ہرگز نہیں۔ مجھے اپنے رب کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ ابھی آپ جہاں آرام فرما ہیں وہاں آپ کو کوئی کانٹا بھی چبھے۔ اور میں اپنے اہل وعیال میں آرام سے رہوں۔ تو اس وقت ابوسفیان نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا: جتنی محبت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب آپ سے کرتے ہیں میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا۔ (سیرت ابن ہشام)

یوں تو ایمان نام ہی ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا متاع عالم حبّ محمد کے بغیر کچھ بھی نہیں اور عشق و محبت بھی ایسی کہ عزیز سے عزیز چیز خواہ مال و منال سے ہوں یا آل واولاد سے، ماں باپ ہوں یا استاذ، پیر، بزرگ غرض کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سب کی محبت پر غالب ہے۔ آپ کے احکام تمام بنی نوع انسان کے احکام پر مقدم ہوں۔ محض قولی طور پر نہیں، عملی ثبوت بھی فراہم کرتے ہوں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ محبت رسول کا نعرہ تو لگائیں مگر فرمان الٰہی اور سنت رسول سے منہ چھپاتے پھریں، حقوق مصطفیٰ کا کچھ بھی پاس ولحاظ نہ کریں۔ فرائض و واجبات سے کوسوں دور بھاگیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخ اور آپ کے اصحاب علمائے دین متین، اولیائے کرام، مشائخ عظام سے بغض وحسد رکھنے والے سے میل جول رکھیں، ان کی شادی بیاہ میں شرکت کریں، ان کے دشمنوں سے دوستی اور دوستوں سے دشمنی کریں، کیا یہی پیار ہے؟ یہی محبت ہے؟؟؟ کیا تمہیں اب تک ڈاکٹر اقبالؔ کا یہ آفاقی پیغام سننے میں نہیں آیا؟ تو سنو!

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر جان و مال اولاد سے پیارا
محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو کچھ سب نامکمل ہے
کی محمد سے وفا تو نے، تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محبت رسول و ذکر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسا امر ہے جو انسان کو دنیا و آخرت کی خوشنودی میسر کرا سکتا ہے۔ قبر کی تاریکیوں کو دور اور

اس کی تپش کا فور کرسکتا ہے۔ امام احمد رضا قادری برکاتی فرماتے ہیں ۔

خاک ہوکر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

محبت امتحان لیتی ہے، اپنے چاہنے والوں کو مختلف نوعیت سے آزماتی ہے، اضطرابی کیفیت پیدا کرتی ہے، وہ جان پرآتی ہے مگر دل کو ہوش وحواس کی قوت سے صحیح سمت پر گامزن کرنا ہوتا ہے، دور ماضی کے علمائے ربّانین میں امام احمد رضا قادری برکاتی کا جواب نہیں۔ آپ ایسی کٹھن راہ سے گزرتے ہیں، مگر شریعت کا پورا پاس رہتا ہے۔ درمحبوب پیش نظر ہو تو ایک محبّ کی حالت کیسی ہوتی ہے یہ تو کسی عاشق زار سے پوچھیں۔ خود ہی کہتے ہیں: ۔

پیش نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے

شمع بزم رسالت کی محبت دل شاد کرتی ہے۔ فرحت وانبساط بخشتی ہے، طبیعت میں تروتازگی اور شگفتگی لاتی ہے۔ ذہنی، حسی، افکار ونظریات رسول اللہ کی محبت میں شرابور ہوکر سیل رواں کی طرح اپنے اور بےگانے سب کو سیراب کرتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو محض دنیا سے دل لگاتے ہیں، وہ دل، دل نہیں۔ آگ کی بھٹی ہے جس میں غیبت، جھوٹ، چغل خوری، حق تلفی، بےصبری، حسد وکینہ، زنا اور دیگر برائیاں پک پک کر جوان ہوتی ہیں۔ ایسے ہی دل کو تو پتھر کا دل کہتے ہیں۔ اُسے اپنے اور بےگانے کسی کا خیال نہیں ہوتا۔ بڑے چھوٹوں کی تمیز نہیں ہوتی۔ حق وباطل کا امتیاز نہیں ہوتا۔ علم ہوتے ہوئے بھی علم وجہل کا فرق نہیں ہوتا۔ خالق ومخلوق کی قدر نہیں ہوتی، رسل وملائکہ کی عصمت کا لحاظ نہیں ہوتا، ماں، باپ، پیر، استاذ، علما، مشائخ، اولیا، غوث، قطب اور ابدال وغیرہ کے آداب کا کسی قدر بھی شعور وادراک نہیں ہوتا، مقامات مقدسہ کی عظمت ورفعت کا کوئی پاس نہیں رہتا۔ ایسے لوگ بظاہر عالم، فاضل، پیر، بزرگ، مفتی، محقق، ادیب اور دانشور سب ہوتے ہیں مگر دل میں ظلمت وکدورت، ضلالت وگمراہی اور منافقت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے کو پکے اور سچے موحد تو بتاتے ہیں مگر رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کا کوئی موقع گنوانا نہیں چاہتے۔ کبھی آپ کے علم کو شیطان لعین کے علم سے بھی کم بتاتے ہیں (معاذ اللہ) تو کہیں اپنے جیسا بشر لکھتے ہیں، تعظیم کو بڑے بھائی جیسی تعظیم بتاتے ہیں، علم غیب اور علم الغیب کے اصول سے ناواقفیت یا دانستہ طور پر علم غیب کا برملا انکار کرتے ہیں، حاظر وناظر کے مسائل میں مر کر مٹی میں مل جانا بتاتے ہیں، اختیار مصطفیٰ کا منکرانہ سبق نونہالان قوم کو پڑھاتے ہیں۔ جو دین ودنیا دونوں کے لیے باعث ہلاکت وتباہی ہے۔ اتنی ساری گستاخیوں کے باوجود اپنے کو دین وایمان میں ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ضد، ہٹ دھرمی اور بےحیائی کا اس سے بڑھ کر مظاہرہ کیا ہوسکتا ہے کہ اس قدر عریاں اور گستاخانہ کلمات آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں لکھنے، بولنے کے باوجود اپنے کو موحد کہتے ہیں، اسلام میں بتاتے ہیں، مسجدیں بناتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں، رمضان کے روزہ رکھتے ہیں، طرفہ یہ کہ بڑے بڑے دارالعلوم اور جامعات کھول رکھے ہیں۔ نام پوچھو تو سلمان، اسماعیل اور تسلیمہ نسرین بتاتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی نے کیا خوب کہا ہے ۔

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی، ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

یا اللہ! یہ قول وفعل میں کیسا تضاد ہے کہ نام تو اسلامیانہ ہوں اور کام کافرانہ، زبان پر تعلیمات اسلام کا سبق جاری ہو اور دل کفر والحاد کا موج مارتا سمندر، کیا یہی حق ایمان ہے؟ یہی شیوۂ مومن ہے؟؟ ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا ہے ۔

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی
یوں تو سب کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

گستاخانہ ذہن وفکر کے لوگوں کے لیے قرآن نے سخت سزا متعین کیا ہے۔ جس کا بیان تفصیل طلب ہے۔ یہاں صرف اصحاب کرام، علمائے کرام اور سربراہان مملکت اسلامیہ کے اقوال وافعال اور موقف درج کیے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

صحابۂ کرام کے اقوال و افعال اور موقف

حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرامین الٰہی کے مکمل تفصیل ومظہر ہوئے ہیں۔ ان کا جینا، مرنا، کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، محبت وعداوت، غرض کہ ہر ہر فعل رضائے الٰہی وتعلیمات نبوی کا شاہ کار ہے۔ ان حضرات کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ذیل میں ایمان کی تازگی کے لیے صحابۂ کرام کے افعال واقوال اور موقف پڑھ پڑھ کر دل شاد کریں۔

(۱) عشق رسول میں سرشار حضرت عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے یوم بدر میں اپنے ہی والد کو قتل کردیا۔ (طبرانی)

(۲) یہ سوز عشق ہی کا کمال ہے کہ جنگ بدر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموعاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو قتل کردیا۔ ذرا بھی رشتہ کا لحاظ وخیال نہ کیا۔ (سیرت ابن ہشام)

(۳) میدانِ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن

(جو ابھی ایمان نہ لائے تھے) لشکر اسلام سے نبرد آزما ہوئے اور مبارزت طلب کیا تو ایک آن کی آن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ مگر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی اور عبد الرحمٰن بچ گئے۔ (استیعاب)

(۴) جنگ اُحد میں حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ (نسیم الریاض)

(۵) اس جنگ بدر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے گھرانے کے لوگوں عتبہ بن ربیع، شیبہ بن ربیع اور ولید بن عتبہ کو قتل کر ڈالا۔ (صحیح مسلم)

اس طرح کے واقعات و روایات سے کتب احادیث بھری ہیں۔ اب آپ دیانت داری سے فیصلہ کریں کہ ان اصحاب کرام کا عمل گستاخ رسول سے متعلق صحیح تھا یا نہیں۔۔؟ اگر صحیح تھا تو پھر اہلسنت و جماعت کے علما آپ کو گستاخ رسول کی دوستی اور ہم نشینی سے روکتے ہیں تو آپ کو بُرا کیوں لگتا ہے۔ کیا آپ نے قرآن مقدسہ کا فرمان عالی شان نہیں سنا ہے تو سنو! ارشاد باری ہے **والذین یؤادون من حاد اللّٰہ......** الخ

عربی کا مقولہ ہے، حبیب الحبیب حبیب، دوست کا دوست بھی دوست ہی ہوتا ہے۔ کیا معلوم ہوا یہی نا کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعلق ہو ان سے ہمارا بھی گہرا تعلق ہونا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کو ناپسند فرمائیں ہم بھی ان سے بیزاری کا اظہار کریں اور ناپسندیدگی میں کسی طرح تأمل نہ کریں۔ دیکھیے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ سے حضرت اسامہ بن زید کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: اے عائشہ! تو اس سے محبت کر بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ (جمع الفوائد، ج۲، ص۲۱۹)

اس طرح کی حدیثیں اہل بیت اظہار سے متعلق بھی کتب احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ اپنے گستاخ سے متعلق خود آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی اور بیزاری کا اظہار دیکھیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ایک یہودیہ آقا علیہ السلام کی گستاخی کیا کرتی تھی، چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا اور مقدمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دے دیا۔ (نیل الاوطار ج۷، ص۳۷۹)

حضرت قاضی عیاض ”گستاخ رسول اور ایک نابینا“ عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نابینا کی ام ولد باندی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی اور وہ نابینا اس فعل سے روکتا، جھڑکتا، ایک رات وہ باندی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی کر رہی تھی، نابینا تاب نہ لا سکا اور باندی کو قتل کر دیا۔ جب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا خون معاف فرما دیا۔ (الشفا، اردو ترجمہ جلد۲، ص۳۸۶)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادنیٰ سے ادنیٰ گستاخی بھی جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ بلکہ اگر کوئی زبان، تحریر کے بجائے دل میں ذرا بغض وحسد رکھا یا یہ گمان فاسد لایا کہ (معاذ اللہ) میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہتر ہوں خواہ کسی بھی لحاظ سے، تو ایسا شخص شرع میں واجب القتل گردانا جائے گا۔ مملکت اسلامیہ ہونے پر اسے سر راہ قتل کیا جائے گا۔ ورنہ ایسے شخص سے حسب استطاعت نفرت ضرور کیا جائے اور ہر طرح سے اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔

محدث کبیر ابو یعلیٰ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: مدینہ میں ایک بڑا ہی عابد و زاہد نوجوان تھا، ہم نے ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے نہ جان سکے، پھر اس کے حالات و اوصاف بیان کیے جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ پہچان سکے یہاں تک کہ وہ ایک دن اچانک سامنے آ گیا، جیسے ہی اس پر نظر پڑی ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی کہ یہ وہی جوان ہے۔ اسے دیکھ کر فرمایا: میں اس کے چہرے پر شیطان کے دھبے دیکھتا ہوں۔ اتنے میں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب آیا اور سلام کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے دل میں یہ بات سوچ رہا تھا کہ تجھ سے یہاں افضل کوئی نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! اس کے بعد جیسے ہی وہ مسجد میں داخل ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا جواب کہ: میں جب اس ارادہ سے وہ مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا دیکھ کر واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کروں؟ جب کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازی کے قتل سے منع کیا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی کون اسے قتل کرتا ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ: میں، وہ مسجد کے اندر گئے تو اس وقت وہ نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا۔ وہ بھی اسے نماز پڑھتا دیکھ کر ابوبکر کی طرح واپس لوٹ آئے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی: کہ کون اسے قتل کرتا ہے؟ تو حضرت علی نے جواب دیا کہ: میں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے ضرور قتل کرو گے۔ بشرطے کہ وہ تمہیں مل جائے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہ شخص جا چکا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میری امت کے جملہ فتنہ پردازوں میں سے یہ شخص پہلا اور آخری ثابت ہوتا۔ یہاں تک میری امت کے دو فرد بھی آپس میں نہیں لڑتے۔ (تبلیغی جماعت، بحوالہ فتح الباری ج ۳، ص ۲۶۴)

جہاں یہ واقعہ یہ بتاتا ہے کہ گستاخ رسول اگر چہ پرہیزگار اور پابند صوم وصلوٰۃ ہی کیوں نہ ہو اسے بہر حال قتل کر دینا چاہیے یا پھر استطاعت نہ رکھنے پر دل سے برا جاننا چاہیے وہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر مبرہن دلیل بھی ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ میں غور کیجیے تو پتہ چلتا ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص مذکور کے دل کے اندر چھپی گستاخی کو بھی جان لیا یہ محض فضل ربی ہے وہ، جسے چاہے اپنے کرم سے اختیارات وامتیازات دے اور اختیارات کلی کے لیے اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا اور نام مصطفیٰ رکھا۔ یعنی منتخب کیا ہوا۔ کون ہے جو ان سے بہتر اور افضل واعلیٰ ہو یہ سب کے آقا ہیں اور سب ان کے زیر نگیں۔ امام احمد رضا قادری برکاتی کہتے ہیں ؎

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بَری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بدر سے مدینہ لوٹے تو النضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اور بدری قیدیوں کو قتل نہ کیا۔ تو عقبہ نے اپنے قتل سے پہلے پکارا۔ اے گروہ قریش! یہ کیا بات ہے کہ مجھے باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے کفر اور رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر افترا پردازی کی وجہ۔ یہ وہی عقبہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت نماز میں تھے اور اس گستاخ نے آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کا اوجھلا کر رکھ دیا تھا۔

(۶) فتح مکہ کے دن سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے گستاخ رسول حارث بن طلاطلا پر قابو پایا تو قتل کر دیا۔ (مدارج النبوہ ج ۲ ص ۵۰۱)

(۷) نسائی نے حضرت سعید سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کو امن دے دیا مگر چار آدمیوں کے لیے سزا باقی رکھا اور فرمایا کہ یہ چار لوگ اگر چہ کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں جب بھی قتل کر دو۔ وہ چار لوگ یہ تھے: (۱) اکرمہ بن ابی جہل، (۲) عبداللہ بن خطل (۳) مقیس بن مساجہ، (۴) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ان میں عکرمہ بن ابی جہل نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن سعد ابی سرح کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معافی کا پروانہ لے لیا۔ اور اس طرح ابن سعد حفظ و امان میں آ گئے۔ اور عبداللہ بن خطل پکڑا گیا۔ اور واصل جہنم ہوا۔ مقیس کو لوگوں نے سر عام بازار میں قتل کر دیا۔ اسی فتح مکہ کے موقع پر ابن خطل کی باندیوں کے خون کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مباح الدم قرار دیا تھا۔ وہ دونوں باندیاں قریبہ اور ارنب تھیں۔

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں: قریبہ اور ارنب یہ دونوں باندیاں ابن خطل کی گانے والیاں تھیں۔ جو حضور علیہ السلام کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ قتل کر دی گئی۔ اس کی ایک باندی قرتنا یا (فرتنی) بھاگ گئیں۔ لوگوں نے اس کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امان مانگی۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے امان دے دی۔ (مدارج النبوہ ج ۲ ص ۵۰۶)

(۸) ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتا تھا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کون ہے جو اس گستاخ کو قتل کر دے؟ تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی خدمات پیش کی۔ اور اس دریدہ دہن کا کام تمام کر دیا۔ (کتاب الشفا، مترجم ج ۲، ص ۳۸۴)

(۹) قاضی عیاض لکھتے ہیں: ایک اور بدتمیز کے قتل کے لیے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی وزبیر رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا تو ان حضرات نے جا کر اس کو قتل کیا۔ (کتاب الشفا ج ۲ ص ۳۸۴)

(۱۰) سیف بن عمر التمیمی نے اپنی کتاب میں اپنے شیخ سے روایت کیا ہے کہ مہاجر جب علاقہ یمامہ کے امیر تھے ان کی عدالت میں دو گلوکار لونڈیوں کا معاملہ پیش کیا گیا ان میں ایک آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں مذمت آمیز اشعار گایا کرتی تھی، مہاجر نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ اور سامنے کے دو دانت نکال دیے۔ اور دوسری گلوکارہ مسلمانوں کی ہجو کیا کرتی تھی، مہاجر نے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اسے لکھا: تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دینے والی گلوکارہ عورت کو جو سزا دی مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا اگر مجھے پہلے پتہ چل جاتا تو میں تمہیں اس کے قتل کا حکم دیتا۔ اس لیے کہ انبیا کی توہین کی سزا دیگر سزاؤں سے مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔ دیکھیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح ایک گستاخ رسول کا سر قلم کر دیا۔ اس کی گستاخی یہ تھی کہ وہ ایک یہودی سے جھگڑا کیا اور فیصلہ آقا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوا۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا تو وہ اس یہودی کو لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت صدیق نے معاملات کو سن کر آقا علیہ السلام کا فیصلہ برقرار رکھا۔ اب وہ حضرت عمر کے پاس آیا۔ حضرت عمر نے یہ سن کر کہ اس گستاخ نے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نہیں مانا ہے۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور پھر تلوار سے اس کی گردن ماردی۔ (تفسیر روح المعانی ج۵، ص ۶۷، مطبوعہ بیروت)

اس باب میں مملکت اسلامیہ کے سر براہان اپنی سربراہی اور دور اقتدار میں گستاخ رسول کا سر قلم کیا۔ جس سے کہ کتب تواریخ بھری ہیں۔ یہاں طوالت کے باعث محض دو واقعہ پر قناعت کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو:

(۱۱) شیطان پرنس ارطاق والئی کرک ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر لشکر کشی کا قصد کیا تا کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک کو منہدم اور مکہ معظّمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے، جب وہ سمندری راستہ سے حملہ آور ہوا تو مسلمان مقابلہ کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اس کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ اپنے جہازوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی جانب بھاگے۔ مسلم سپاہ کے جیالوں نے انہیں پہاڑوں اور باغوں سے پکڑ کر ان کے ٹکڑے کر دیے۔ ریجی نالڈ شاتم رسول خود بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ (تاریخ اسلام ج۲، ص ۶۰۵)

کول کا بیان ہے کہ ریجی نالڈ نے ۱۱۷۹ء میں مسلمانوں کے ایک کارواں کو لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کے لوگوں کی رہائی، لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا۔ ۱۱۸۳ء میں پھر یہی حرکت کی اور ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کر لیا جب ان لوگوں نے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا کہ تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑائے۔ جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کو ریجی نالڈ کی اس گستاخانہ گفتگو کی خبر ملی تو اس نے قسم کھا کر کہا، اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔ صلیبی لڑائیوں کے سلسلے میں ایک موقع پر فرنگیوں کو شکست ہو گئی۔ فرنگی بادشاہ اور شہزادے قید کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے لائے گئے، ان میں ریجی نالڈ بھی تھا۔ سلطان کو دیکھ کر اسے اپنی بداعمالیاں یاد آ گئیں اور سلطان کو اپنی قسم بھی یاد آئی، جس نے ریجی نالڈ کا خون خشک کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کی تمام بداعمالیاں گنوائیں اور یہ بھی کہا کہ اس وقت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں سے اس موذی کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم مسلمانوں کا یہ دستور نہیں کہ لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرتے رہیں۔ ریجی نالڈ تو صرف حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کی پاداش میں قتل کیا گیا ہے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۶۱۰)

سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک اور ایمان افروز فیصلہ ملاحظہ کریں:

جب علمائے کرام نے ایک شاعر کے شعر سے متعلق یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ اس شعر سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی ہو رہی ہے تو فوراً سلطان صلاح الدین ایوبی نے شاعر کو قتل کرا دیا اور علما نے اسے اس شعر کی بنیاد پر مرتد قرار دیا۔ چونکہ اس نے نبوت کو اکتسابی بتانا چاہا جو ریاضتوں سے حاصل ہو سکتی ہے (معاذ اللہ) اس لیے اسے قتل کر دیا گیا۔ (بیانات، ص ۱۰۷) حضرت ابن جان کا قول کے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبوت اکتسابی ہے وہ شخص زندیق ہے، قتل کر دینا چاہیے۔

(ترجمان اہل سنت ص، ۶۶۶ اپریل، مئی ۱۹۷۶ء جلد۵، شمارہ ۱۰، ۱۱)

مرزا اور مرزائی گروپ کے بدحواس و بدعقل لوگ اسی طرح کے عقیدے کے دل دادہ ہیں۔ لکھتا ہے ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ (ڈائری مرزا محمود ابن مرزا قادیانی اخبار الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

یہی وہ گستاخی ہے جس کی وجہ سے مردود شیطان مرزا غلام احمد قادیانی مہلک مرض میں گرفتار ہو کر واصل جہنم ہوا۔ آج دنیا میں اس کا نام ونشان تک نہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ خبیث بدبخت مرنے سے چند روز پہلے وبائی مرض کا شکار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں آگے پیچھے کے مقام سے غلاظت نکل رہی تھی اور وہ اسی حالت میں واصل جہنم ہوا۔

عباسی خلیفہ موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی کے عہد میں ایک شخص نے قبیلہ قریش کو برا بھلا کہا۔ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق بھی گستاخی کی۔ وہ ہادی کے سامنے لایا گیا، اس نے علما و فقہا کو جمع کر کے اس کے متعلق فتویٰ لیا، انہوں نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کیا اس پر خلیفہ نے کہا اس کی سزا کے لیے قریش ہی کی اہانت کافی تھی۔ (کیوں کہ یہ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاندان ہے) اس دشمن خدا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی شامل کر لیا۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ (تاریخ اسلام ج۳، ص۸۲) (جاری)

تاجدارِ اولیا شیخ عبدالقادر جیلانی کی حیات کا ایک ورق

محمد عاشق رضا قادری ☆

ولایت ایک امرِ مسلم ہے۔ ولی کے بارے میں رب کا ارشاد ہے کہ: ’’جو اللہ کا دوست ہوتا ہے اس کو کسی بات کا خوف اور ملال نہیں۔‘‘ اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ ’’جس نے اللہ کے دوست (ولی) سے عداوت کی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اعلانِ جنگ فرماتا ہے۔‘‘ اور ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ ’’جب بندہ تقربِ خداوندی حاصل کر لیتا ہے تو اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، زبان بن جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے، ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے، کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے۔‘‘ یعنی اللہ رب العزت کی رحمتیں اس کے شامل حال ہوا کرتی ہیں اور وہ محبوب بندہ اللہ کی رحمتوں کے سہارے سارے امور کی انجام دہی میں اپنی ولایت کا مظاہرہ فرماتا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ولایت کی بہت سی صورتوں میں ایک ولایت کسبی ہے اور دوسری وہبی۔ ولایت کسبی یہ ہے کہ جب بندہ کثرتِ نوافل وعبادت کے ذریعہ اپنے خالق و مالک کو راضی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنا قرب خاص عطا فرما دیتا ہے اور اس کو خرقِ عادات امور کی انجام دہی پر حسب حیثیت قدرت عطا فرما دیتا ہے جس سے وہ اللہ کا مقرب بندہ اللہ کی عطا سے محیر العقول امور کو انجام دینے لگتا ہے جس کو کرامت بھی کہتے ہیں اور دوسری صورت ولایت وہبی کی ہے کہ جب کسی انسان سے اگر وہ مومن ہے تو کوئی ایسی ادا جو اللہ کی نظرِ کرم میں محبوب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو اس کی محبوب ادا کے سبب اپنا محبوب ومقرب بنا لیتا ہے اور اس کو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْن کا مظہر اتم بنا دیتا ہے۔

لیکن ولایت وہبی کی بھی دو صورت ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد بندہ کی کسی محبوب وخوب صورت ادا کی بنیاد پر ولایت ملتی ہے اور ایک وہ ہے کہ شکمِ مادر میں ہو مگر ولایت حاصل ہو جائے جس کو مادرزاد ولی کہتے ہیں۔ ایسا اس وجہ کر ہوتا ہے کہ اللہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا کون ایسا بندہ ہے جس کی زندگی کا ایک ایک پل انسان کی رشد و ہدایت کے لیے مشعلِ راہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس کی قسمت میں پہلے ہی وہ خصوصیت مقدر کر دیتا ہے جس کے لیے وہ منتخب کیا گیا ہے۔

ابھی میرا مطمحِ نظر تمام ولیوں کی زندگی اور کارنامے کو حیطۂ تحریر میں لانا نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا ولی جو تاجدارِ اولیا کہلاتا ہے، شہنشاہِ بغداد کی حیثیت سے مسلمانوں کے دلوں پر ایک زمانے سے حیرت انگیز حکومت کر رہا ہے، اس کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنا مقصود ہے، جس کی تاریخِ ولادت و وصال اور عمر شریف کا پتہ صرف ایک شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

ان بار اللّٰہ سلطان الرجال
جاء فی عشق و مات فی کمال

حضرت غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سنہ ولادت 470ھ ہے اور آپ کی دنیاوی زندگی اکانوے سال کی ہوئی جو ’’کمال‘‘ کے اعداد سے مستفاد ہے اور جب ’عشق‘ اور ’کمال‘ کے اعداد کو جوڑتے ہیں تو 541ھ بن جاتی ہے۔ یعنی آپ کی پیدائش سنہ 470ھ میں ہوئی اور وصال 541 میں ہوا اور کل دنیاوی عمر اکانوے سال کی ہوئی۔

اب رہی بات آپ کی ولایت کی تو باتفاقِ آرا آپ کو مادرزاد ولی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس لیے کہ آپ کی ولایت کے آثار شکم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگے تھے جیسا کہ مشہور روایت کے مطابق جب رمضان المبارک کے چاند میں اختلاف ہوا تو لوگوں میں خبر پھیلی کہ سادات میں ابوصالح موسیٰ جنگی دوست کے گھر میں ان کا نورِ نظر ہے جس نے ماں کا دودھ پینا چھوڑ دیا ہے جس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ چاند نکل چکا ہے۔

بہرحال! حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق بہت سارے واقعات ہیں کہ آپ ایسے مسلم الثبوت بزرگ ہیں جن کی بزرگی میں شاید کچھ لوگوں کو اختلاف ہو۔ آپ کے ذریعہ لاکھوں گم

☆متعلّم جامعہ اکرم العلوم، لال مسجد، مراد آباد، موبائل: 08651499368

گشتگانِ راہ کو دامنِ اسلام میں جگہ مل گئی ہے۔ جب تقریر فرماتے تو گفتگو میں ایسی اثر پذیری ہوتی کہ رہزن وقزاق، بدمعاش وبدکردار توبہ کیے بغیر نہ رہ پاتے بلکہ کتنے تو ایسے ہوتے کہ ان پر رقت طاری ہوتی اور وہیں پر دم توڑ دیتے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ کے اندر اتباعِ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدق مقال بچپن ہی سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بچپن میں آپ کی صداقت اور حق گوئی کا ایک بڑا مشہور واقعہ زبان زدِ خاص و عام ہے جس نے چالیس رہزنوں کو آپ کا گرویدہ ہی نہیں بلکہ ولیِ کامل بنا دیا۔ تفصیل یوں ہے کہ جب آپ برائے حصولِ تعلیم ماں کی وصیتوں کے زیر سایہ ایک قافلہ کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک احمد بدوی کی سرداری میں چالیس رہزنوں پر مشتمل گروہ نے قافلہ والوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جب پورا قافلہ لٹ گیا تو کسی نے اس بھولے بھالے رعب دار بچہ سے بھی سوال کر دیا کہ بچہ بتاؤ تیرے پاس بھی کچھ ہے تو اُس بچے نے نہایت ہی پر اعتماد لہجے میں کہا: ہاں! میرے پاس بھی چالیس دینار میری بوسیدہ صدری میں سلے ہوئے ہیں، تو اس رہزن نے مذاق پر محمول کرتے ہوئے قہقہہ لگایا اور اپنے ایک دوسرے ساتھی سے بچہ کے بھولے پن کا استہزا کرتے ہوئے واقعہ بیان کر دیا۔ پھر یہ بات سردار احمد بدوی کے پاس پہنچ گئی۔ سردار نے اس گلشنِ رسول کی کھلتی کلی کو اپنے پاس بلا کر سوال کیا: بچہ! بتا یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ کیا تمھارے پاس چالیس دینار ہیں اور ہیں تو وہ کہاں ہیں؟ بچے نے برملا پورے وثوق کے ساتھ کہا: ہاں! کیوں نہیں ہیں! وہ میری صدری کے نیچے سلے ہوئے ہیں۔ جب احمد بدوی کے حکم سے صدری کی سلائی کھولی گئی تو چالیس دینار دیکھ کر رہزن ششدر رہ گئے اور آپ کی حقیقت بیانی پر حیرت زدہ۔

بڑے تعجب سے احمد بدوی نے پوچھا: اے عزیز! یہ تو بتاؤ کہ اس طرح چھپا کر رکھے گئے دینار اگر تم نہیں بتاتے تو کسی کی روح کو بھی خبر نہیں ہوتی مگر تم نے خود ہی اپنے اثاثے رہزنوں کے سردار کے حوالے کر کے کون سی عقل مندی کی ہے؟ احمد بدوی کی صفائی پر بچہ نے اس کے چہرے پر معنی خیز نگاہیں ڈالی اور یوں جواب کا سلسلہ قائم فرمایا: سردار تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب میں گھر سے چلا تھا تو میری امّی جان نے بڑی سختی سے حکم فرمایا تھا کہ جان بھی چلی جائے مگر کبھی جھوٹ نہیں بولنا۔ بولو میں اپنی امّی جان کے حکم کو کیسے توڑ دیتا؟ اگر تم لوگوں نے مجھ سے نہیں پوچھا ہوتا تو تم کو نہیں بتاتا مگر جب پوچھ دیا تو جھوٹ بولنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے میں نے جو صحیح بات تھی اس کو بتا دیا۔

احمد بدوی کی آنکھیں چھلک گئیں اور ایک ایک گناہ کا احساس اس کے بدن میں ندامت کا زہر گھولنے لگا، پھر وہ اپنے سیاہ کارناموں پر آہیں بھرنے لگا کیوں کہ اس کے اعمالِ بد اس کو کچوکے لگا رہے تھے اور اس بچے کا ایمان افروز کردار کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ آخر سردار آگے بڑھا اور قدموں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اپنے گناہوں کو بہاتا رہا اور جھکی نگاہوں سے احساسِ ندامت وشرمندگی چھپانے کی کوشش ناتمام کرتے ہوئے توبہ کرنے کی پیش کش کر دی کہ میں کتنا بڑا بدنصیب انسان ہوں کہ جس خالق نے پیدا فرمایا اور ہر طرح کی عیش وعشرت کا سامان بہم پہنچایا، صحت وسلامتی بخشی مگر میں نے اپنے پالنہار حقیقی سے کیے گئے وعدوں کو توڑ دیا۔ اس کی نافرمانی کرتا کراتا رہا۔ بے قصوروں کو لوٹتا رہا۔ عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیمی کا داغ دیتا رہا۔ سب کی آہوں کا مارا میں ایک ظالم و جابر گنہگار و سیاہ کار انسان بخشا جاؤں گا؟ نہیں! نہیں!! کیا میری توبہ قبول ہوگی؟ نہیں! نہیں!! مجھ جیسا گنہگار بخش دیا گیا تو ہر گنہگار بخش دیا جائے گا۔ بے تحاشا روئے جارہا ہے۔ حضرت غوث پاک کی شفقتِ طفلی نے سہارا دیا۔ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ توبہ کرو، اللہ رب العزت تواب الرحیم ہے۔ وہ ضرور توبہ قبول کرے گا۔ پھر کیا تھا، اس نے توبہ کی اور اپنی جماعت والوں میں اعلان کر دیا کہ میں نے اپنے کالے کارناموں سے توبہ کر لی ہے اور خود کو اس بچہ کے ہاتھ پر بیچ دیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ باقی سبھی رہزنوں نے بھی اپنے سردار کی اقتدا میں یہ کہتے ہوئے توبہ کر لیا کہ جب آپ کا ساتھ برائی میں دیا ہے تو اب ہم لوگ بھی برائی سے توبہ کر کے نیک کام کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مادرزاد ولی حضرت غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی صداقت بیانی پر پہلی بار چالیس رہزنوں نے یک بارگی توبہ کر کے منزلِ سلوک طے کرنا شروع کر دیا پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سب کے سب ولیِ کامل بن گئے۔

یہ تھی حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت مآب صداقت جو آج کے انسانوں کے لیے درسِ عبرت ہے، جس کی صبح طلوع ہوتی ہے جھوٹ کے ساتھ اور شام ہوتی ہے جھوٹ کے انبار کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت غوثِ پاک کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین) ❑❑

شخصیت

مردِ علم وعمل شیرِ بہار مفتی محمد اسلم رضوی

محمد ممتاز عالم ☆

خلیفہ حضرت مفتی اعظم، شیخ طریقت حضرت مولانا مفتی محمد اسلم رضوی علیہ الرحمہ والرضوان ملک کی ایک معروف دینی وعلمی شخصیت تھی۔ انھوں نے اسلام وسنیت کے فروغ کے لیے پورے ہندوستان بالخصوص صوبۂ بہار کے مردم خیز ضلع مظفر پور واطراف میں لازوال خدمات انجام دیں۔ 11 صفر المظفر 1433ھ/ 6 جنوری 2012ء کو اچانک ان کے سانحۂ ارتحال سے پوری دنیائے سنیت غم زدہ ہوگئی۔ 12 صفر المظفر 1433ھ/ 7 جنوری 2012ء بروز ہفتہ 1 بج کر 25 منٹ پر آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں ایک محتاط اندازے کے مطابق تین لاکھ سے زائد مجمع تھا۔ آپ کی عظیم علمی یادگار جامعہ قادریہ مقصود پور سے متصل ایک وسیع وعریض آراضی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کا عرس چہلم 21-20 ربیع الاوّل 1433ھ/ 14-13 فروری 2012ء بروز پیر- منگل منایا جارہا ہے۔ عرس چہلم کے موقع سے آپ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت کے بطور نوجوان صاحبِ قلم مولانا ممتاز عالم رضوی ریسرچ اسکالر (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) کا خصوصی مضمون اور مجلس فکر رضا لدھیانہ کے بانی وڈائریکٹر حافظ شمس الحق رضوی کا تعزیتی تاثر پیش کیا جارہا ہے۔ (ارشاد نعمانی)

مفتی محمد اسلم رضوی رحمۃ اللہ علیہ اس دور قحط الرجال میں شریعت و طریقت کا وہ حسین امتزاج اپنے اندر رکھتے تھے جو ہر دو طبقہ میں مخاصمت کے خاتمے کا ذریعہ اور معاونت کی روح پھونکنے کا مضبوط وسیلہ ہے۔ آپ کی ولادت 1934ء میں مظفر پور ضلع کے گاؤں مہوارہ میں ہوئی جس سے چند کوس کے فاصلے پر ایک علمی اور مرکزی گاؤں پوکھریرا ہے جو مجدد اسلام امام احمد رضا خان قادری برکاتی کے علمی فیضان سے براہِ راست مالا مال ہوا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن محبی اور ولی الرحمٰن ولی جیسی علمی شخصیت کے مولد و مسکن ہونے کی وجہ سے مشہور و معروف ہے۔ یہ ضمنی بات اس لیے آ گئی ہے کہ پوکھریرا کے سامنے کسی کا چراغ جل جانا ہی کمال کی بات ہے۔ شیر بہار کی شخصیت کو اہل پوکھریرا نے نہ صرف اعتراف ہی نہیں کیا ہے بلکہ ان کی دینی قیادت کو اپنے لیے باعث فخر تصور کیا ہے۔

شیرِ بہار کی تعلیم وتربیت متعدد مدرسوں میں ہوئی اور تکمیل تعلیم مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری کے قائم کردہ مدرسہ مظہر اسلام سے ہوئی آپ کو مظہر اسلام سے جہاں کتابوں کا علم حاصل ہوا وہیں مرد کامل مفتی اعظم ہند کی صحبت کیمیا اثر نے تصوف وطریقت کے رموز و اسرار بھی سکھائے۔ 1957ء میں جب آپ فارغ ہو رہے تھے تو جہاں آپ صف اوّل کے عالم تھے وہیں بنیادی سلاسل طریقت میں سلسلۂ قادریہ کی شاخ سلسلہ رضویہ کے ترجمان بھی تھے اور عمر کا طویل عرصہ اسی حالت میں گزارا کہ دنیا سمجھتی رہی یہ صرف اس سلسلہ میں مرید ہیں مگر یہ بات پردۂ خفا میں رہی کہ آپ ان سعادت مند مریدوں میں سے ہیں جنھیں محتاطِ مرشد چند ملاقاتوں میں ہی خلافت سے نواز دیتے ہیں۔

شیرِ بہار کی شخصیت کا ایک بڑا وصف یہ ہے کہ وہ بارگاہِ رب العزت میں اپنی مسئولیت کے تعلق سے بیدار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ شریعت ان کے حق میں نافع خود وخلق اور علم طریقت دافع شر ثابت ہوا۔

شیرِ بہار علوم متداولہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے اس وقت کی بلند پایہ علمی درسگاہوں میں اصحابِ علوم وفنون کے درمیان میر مجلس، شیخ الحدیث، صدر المدرسین اور منصب افتا پر فائز رہے۔

علمی شہرت نے بعض شخصیتوں کو کس قدر فریب میں مبتلا کر رکھا ہے وہ غزالی کی آنکھ رکھنے والوں پر ظاہر ہے۔ طلبِ دنیا ان کا شوق اور فکرِ آخرت سے غفلت ان کا شعار ہے۔ شیرِ بہار دنیا سے کنارہ کش اور فکرِ آخرت میں ڈوبے رہتے تھے۔ جس زمانے میں بڑی بڑی درسگاہیں اور اپنی اونچی تنخواہیں فرش راہ تھی آپ نے چندر درسگاہوں کو زینت بخشنے کے بعد اپنا مستقر مقصود پور (ضلع مظفر پور) کو بنایا جو آپ کے مولد سے محض تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، جہاں نہ کوئی درسگاہ تھی کہ وہ علم کے موتی بکھیرتے اور نہ ہی کوئی محراب ومنبر جہاں سے وعظ ونصیحت کرتے۔ ایسے حالات

☆ای میل: mumtaz.alam48@gmail.com موبائل: 09350365055

میں صلاحیت کو جو گھن لگتا ہے اس سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں۔ شیرِ بہار نے ان حالات میں نہ صرف اپنے علمی سرمایہ کی حفاظت کی بلکہ جہالت کی تاریکی دور کرنے کے لیے 1968 میں ’جامعہ قادریہ‘ کی بنیاد ڈالی۔ اس ذمہ داری کے پیشِ نظر کہ جامعہ عربیہ سلطانپور سے کہیں زیادہ اس دیار کو میری خدمات کی ضرورت ہے۔

جب کسی ادارے کی سرپرستی واقعی علمی شخصیت کرتی ہے تو درسگاہ وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور نام نہاد علمی شخصیت کرتی ہے تو درسگاہ ماہرینِ علوم وفنون سے خالی اور چاپلوسوں کا اڈّہ بن جاتی ہے۔ شیرِ بہار کے ادارے پر نگاہ ڈالنے سے ہمیں ان کی وسعتِ علمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ وہاں جو فن پڑھایا جاتا تھا اس کے ماہر استاد ہی کی آپ تقرری فرماتے تھے۔ دنیاوی معاملات سے طلبا بالکل ناواقف نہ رہے اس لیے حساب و ہندی وغیرہ کی تعلیم کے لیے ہر دور میں ماسٹر رکھے جاتے رہے۔

شیرِ بہار کے خیمہ زن ہونے سے پہلے یہ علاقہ علم و آگہی سے ناواقف تھا مگر آپ نے علم کی وہ جوت جگائی کہ یہاں کے فیض یافتہ طلبا آج ہندوستان کے مشہور مدارس میں شیخ الحدیث، شیخ الادب، صدرالمدرسین اور جملہ علوم و فنون کے استاد ہیں۔

یہ دور تصنیف و تالیف کا ہے۔ شیرِ بہار اس سے بھی شغف رکھتے تھے مگر افسوس کہ ان کی اہم علمی تصانیف طبع نہیں ہوسکی۔

اگر ’بوئے سخن شرح ملاحسن‘ اور ’اسلم الحواشی شرح اصول الشاشی‘ تفتیش اور طباعت کے مرحلے سے گزر جاتی تو اہلِ علم منطق و اصول کے مباحث میں شیرِ بہار کے اضافات کو ملاحظہ کرتے اور اصولِ فقہ میں ان کی مہارت کو ملاحظہ کرتے۔ آپ کی بعض کتاب اور تقاریظ ضرور طبع ہوئی ہیں۔ اوراق پر جو رنگ آپ نے جمایا تھا اس میں سے بعض اگرچہ حوادثِ زمانہ کے شکار ہوگئے مگر شخصیت سازی کا جو ارادہ آپ نے فرمایا تھا اور اپنی تربیت سے جن پتھروں کو تراش کر نگینہ بنایا تھا وہ کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ ان میں سے بعض صاحبِ کتاب بھی ہیں اور بعض ماہرِ کتاب بھی۔ شخصیت سازی ہی کے لیے آپ نے جامعہ قادریہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ مدارس کا قیام، انتظام و انصرام کتنا مشکل کام ہے یہ ذمہ دارانِ مدارس سے مخفی نہیں مگر شیرِ بہار نے جن شخصیتوں کے جلو میں دن گزارے تھے انھوں نے اپنے ارادے میں استقلال کا سبق بھی پڑھایا تھا۔ روایتی ہنگامہ خیزیاں، اہلِ ثروت کی نزاکت اور مخلصوں کی تنگ دامانی کا یہاں بھی بول بالا رہا مگر انھوں نے اپنے عزم کے سامنے کسی کو حائل نہیں ہونے دیا۔ جامعہ قادریہ تو ایک بہانہ تھا ان کا اصل مقصد اس علاقے کے گاؤں گاؤں میں عالم و فاضل پیدا کرنا تھا۔ ان کی زبان سے سنا ہوا ایک جملہ مجھے بار بار یاد آتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ ہمارے گاؤں میں کوئی مولوی حافظ نہیں تھا۔ ایک مجلس میں شیرِ بہار بھی تشریف لائے تھے۔ دسترخوان پر انھوں نے مجھ سے پوچھا آپ کا گھر کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا بھنسپٹی، انھوں نے کہا، میری بڑی خواہش تھی کہ بھنسپٹی میں کوئی مولوی حافظ ہو جائے۔ آپ کو یہ سعادت مبارک ہو۔

یہ اندازِ نظر یقیناً اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ آپ مقصود پور میں صرف ادارے کی سرپرستی کے لیے نہیں شخصیت سازی کے لیے قیام پذیر تھے۔

مسلمانوں کا قابلِ تعریف وصف حق گوئی و بے باکی ہے اور علما کے اندر یہ وصف قائم رہے تو کیا حاکم کیا رعایا معاشرہ کا ہر فرد سدھر جائے۔ شیرِ بہار میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ حق گوئی و بیباکی کا نمونہ تھے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ فرقہ بندی کے اس دور میں اہلِ سنت و جماعت افراط و تفریط سے پاک اور بشارتِ نبوی کے مصداق ہیں، جہاں آپ نے اپنوں کے درمیان اس کا اظہار کیا وہیں مخالفوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی یہی بات کہی۔ مصلحت کوشی کے پیشِ نظر کتمانِ حق کا جرم آپ نے کبھی نہیں کیا، آپ کی بیباکی کا اس قدر شہرہ تھا کہ خود علمائے اہلِ سنت ان کی موجودگی میں سنبھل سنبھل کر بولتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ آپ علما پر رعب جمانا چاہتے تھے۔ الحمدللہ! ان سب آفتوں سے ان کی شخصیت محفوظ تھی۔ وہ ہر عالم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر اس عالم سے محبت کرتے تھے جو لائقِ توقیر تھے، اور جو لائق شفقت تھے ان پر شفقت فرماتے تھے۔

میں نے بہت قریب سے ان کے ہر رنگ کو دیکھا ہے۔ ہم سے علم و عمر میں فضیلت رکھنے والے لوگوں نے اور زیادہ دیکھا ہوگا۔ ایک مرتبہ دارالعلوم قادریہ غوثیہ مرغیا چک (ضلع سیتامڑھی) کے جلسہ سے واپسی کے وقت میں اسی گاڑی میں بیٹھ کر آرہا تھا جس سے شیرِ بہار آرہے تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہی۔ میں نے چند علمی مسائل پر گفتگو کی ابتدا کی۔ رات بھر کا جاگا ہوا شخص، سفر کی حالت مگر علمی شغف کا یہ عالم کہ میں پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہنے لگے میرے قریب آجایئے، آپ کی جگہ یہ ہے۔ میری کم عمری اور شیر بہار کی شفقت کو دیکھ کر تمام علما حیرت زدہ رہ گئے اور میں نے ان کے اخلاق کی یہ تصویر ہمیشہ کے لیے آنکھوں میں بسا لی جسے آج قرطاس کے حوالے کر رہا ہوں۔

علما سے کتنا لگاؤ تھا انھیں اس کی جھلک ہمیں ان کی وفات سے محض ایک مہینے پہلے اور طبیعت کی ناسازی سے صرف ہفتہ روز قبل دیکھنے کو ملی۔

5/دسمبر 2011ء کی شب ہماری بستی میں حضرت شیرِ بہار تین روزہ شہیدِ اعظم کانفرنس کی آخری شب کی صدارت کے لیے موعو تھے۔ عشا سے قبل ان کی آمد ہوئی۔ مشہور خطیب مولانا عمر نورانی تینوں شب کے لیے مدعو تھے۔ ان کا قیام مدرسہ کے اس حجرے میں تھا جس میں امام صاحب قیام رکھتے ہیں اور ایک وسیع دالان میں جملہ علما کے قیام کا انتظام تھا۔ جائزہ لینے کے بعد حضرت شیرِ بہار نے فرمایا، مولانا عمر نورانی کہاں قیام رکھتے ہیں؟ بتلایا گیا کہ اسی حجرہ میں جس میں آپ ٹھہرے ہیں۔ ابھی وہ دالان میں ہیں۔ انھوں نے جو جواب دیا وہ ان کی وسعتِ نظری اور بلند اخلاق کی دلیل ہے۔ آپ نے کہا مولانا عمر نورانی کو یہاں بیٹھائیے میں باہر بیٹھ جاتا ہوں اس لیے کہ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ معلوم ہونے پر مولانا عمر نورانی اور جملہ علما ان کے اخلاقی فرمان کو سن کر حیران رہ گئے۔ یقیناً علما سے محبت کا جو اظہار اس جملہ میں ہے اسے حسّاس آدمی ہی سمجھ سکتا ہے۔

ویڈیو ٹی وی کے سلسلے میں آپ کا موقف عدم جواز کا تھا۔ جب کبھی خلاف ورزی ہوتی آپ فوراً گرفت فرماتے۔ آج اسٹیج پر چھکنے کے لیے جلسہ ساز شخصیتوں سے کس قدر تعلق رکھنا پڑتا ہے اس سے مقرر و شعرا خوب واقف ہیں۔ شیرِ بہار مجالس کو معاش کا نہیں تشہیرِ دین کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ایک تاریخ ساز جلسہ میں جس کا اہتمام ایک بڑی علمی شخصیت کر رہی تھی ویڈیو کیسٹ بنانے کے وقت کیمرہ کی روشنی کبھی ادھر کبھی ادھر پھیل رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: مجھے ایک بات کہنی ہے۔ میں گوش بر آواز ہو گیا آپ نے کہا: محفل میں جو ویڈیو کیسٹ بن رہی ہے یہ حرام ہے اور یقیناً یہ منتظمین کی مرضی سے ہو رہی ہے لہٰذا سب کے سب فعل حرام کے مرتکب ہوئے۔ موقف کے اظہار کے اس سادے سے جملے میں کیا تاثیر تھی کہ فوراً بانیِ جلسہ جن کی علمی شخصیت اور خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے علی الاعلان توبہ و استغفار کرتے ہیں۔

حق گوئی کا وصف رکھنے والا اور حق بات کو بسر و چشم قبول کرنے والا قابلِ احترام ہے۔

یقیناً مفتی صاحب صوفی المشرب تھے اور اخیر عمر میں علما کے اصرار نیز خانوادۂ رضویہ کے مشائخ کی عدیم الفرصتی کے باعث آپ نے اس سلسلے کے فروغ کا بیڑا اٹھایا۔ جب آپ نے دامنِ طریقت کو بڑھایا تو ہندوستان کے بیشتر اور بیرونِ ہند میں موریشس و افریقہ کے لوگ وابستہ ہو گئے۔ پیری مریدی سے ان کا مقصود وابستگانِ سلسلہ کے اخلاق و کردار اور احوال و افکار کی درستگی تھا۔ جگہ جگہ مزارات کی تعمیر اور اعراس کی تزئین نے جس قدر مسلمانوں کو استحباب پسند اور فرائض سے غافل کیا ہے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ مجدد اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی کے موقف سے ہر مسلمان واقف ہو!

جہاں شیرِ بہار کا موقف تھا کہ اولیاء اللہ حکم ربانی سے تصرف فرماتے ہیں وہیں فرضی مزارات کی تعمیر اور عرس کے بیجا رسوم کے سخت مخالف تھے۔ اندازہ کیجیے جہاں کے لوگوں نے کسی مزار سے وابستگی اور عقیدت میں برسہا برس گزار دیتے ہو فرضی ہونے کی اطلاع ملنے پر (جو اطلاع گرچہ صرف کان بھرنے کے لیے تھی) تفتیش و تحقیق کا حکم دے دینا جہاں ان کی مجاہدانہ جرأت کی دلیل ہے وہی اس بات کا کھلا اعلان ہے کہ اولیاء اللہ کے جسم کو مٹّی نہیں کھاتی اور بعد مرگ بھی وہ حیاتِ جاودانی کا زندہ نظارہ ہوتے ہیں۔

شیرِ بہار کا حلقۂ ارادت و تلمذ جس دور میں عروج کو پہنچا اس دور میں مرکزی شخصیتوں میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی وبا عام رہی ہے۔ اس کے پیچھے کارفرما قوت صرف نام و نمود اور دنیاوی کامرانی کی ہے مگر شیرِ بہار ان جماعت بندی سے پاک رہے اور جس اہلِ سنت و جماعت کا طوق صدیوں سے ان کے اور ان کے خاندان کے گلے میں پڑا تھا اور مرد کامل مفتیِ اعظم کی شخصیت نے جسے اور مضبوط کر دیا تھا زندگی بھر اسی سے وابستہ رہے۔ اس سے آگے بڑھنے کو گمراہی اور پیچھے ہٹنے کو ضلالت سمجھا۔

مقصود پور میں اپنی 86 سالہ عمر مستعار کا بیشتر حصہ اس شان سے گزار کہ دل مومن، کردار مسلمان، لباس عالمانہ، راہ درویشانہ، برتاؤ عاجزانہ رُعب شاہانہ:

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلے

آپ کی ولادت پوکھریرا کے قریب ہوئی۔ مجدد اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی کی جس علمی وراثت کے امین مجبی اور ولی ہوئے اخیر دور میں اس کی حقیقی جانشینی کا فریضہ شیر بہار نے ادا کیا۔ جب تک زندہ رہے اسلامی افکار و نظریات کی ترجمانی فرماتے رہے اور جب رخصت فرمائی تو جنازہ پر آنسو بہانے والے مخلوقِ خدا کے ازدہام نے بہار کی سرزمین پر امام حسن بصری اور مولانا جلال الدین رومی کے دم واپسی کی یاد تازہ کر دی۔ ❑❑

شخصیت

موت العالِم موت العالَم

حافظ محمد شمس الحق رضوی ☆

آفتابِ علم وفضل، خلیفۂ حضور مفتی اعظم و قطب مدینہ، شیخِ طریقت حضرت علامہ مفتی شاہ محمد اسلم رضوی (وصال 11 صفر المظفر 1433ھ/ 6 جنوری 2012ء) کا اچانک وصال اہلِ سنت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے جس سے دنیائے سنیت سوگوار ہوگئی اور ہر سنّی مجسمۂ غم والم بن گیا۔ کیونکہ ان کا اچانک وصال ایک فرد کا نہیں، ایک انجمن بلکہ ایک عہد کا خاتمہ ہے۔

حضرت شیرِ بہار دنیائے سنیت میں ایک آفتاب کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ہر کمال کے جامع تھے۔ صوری ومعنوی اور ظاہر وباطنی تمام خوبیوں کے حامل تھے۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ میں آپ کی امتیازی شان تھی۔ افہام وتفہیم میں آپ کا مقام انتہائی بلند تھا۔ قوتِ گویائی کا عالم یہ تھا کہ بڑے سے بڑا مسئلہ اور باریک سے باریک بحث وتحقیق کو آپ نہایت سادہ ودلنشیں انداز میں سمجھا دیتے۔ راقم الحروف کی آپ سے کئی ملاقاتیں ہیں۔ ذاتی طور سے میں ان کی شخصیت اور حسنِ اخلاق سے بے حد متاثر ہوں کیوں کہ آپ کا یہ وصف انتہائی قابلِ قدر اہمیت کا حامل تھا کہ آپ بڑوں کے ساتھ انتہائی ادب واحترام اور چھوٹوں کے ساتھ بے پناہ شفقت ومحبت سے پیش آتے۔

اللہ رب العزت نے آپ کو جہاں بے شمار اعلیٰ خصوصیات سے سرفراز کیا تھا وہیں آپ کے اندر اشاعتِ مذہب ومسلکِ اعلیٰ حضرت کا جذبۂ بیکراں بھی عطا فرمایا تھا۔

ہندوستان کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آپ نے دین و مذہب اور مسلک اہلِ سنت کی نشر واشاعت کے بعد اپنی علمی جولانگاہ کے لیے مستقل طور پر صوبہ بہار کے مردم خیز ضلع مظفر پور کے ایک معروف قصبہ مقصود پور کو اختیار فرمالیا تھا۔ چنانچہ آپ اپنی پوری زندگی اپنے قائم کردہ عظیم الشان یادگار علمی دانشگاہ جامعہ قادریہ مقصود پور اورائی (ضلع مظفر پور) کے پلیٹ فارم سے ہزاروں تلامذہ اور فیض یافتگان کا ایک قافلہ تیار کیا اور نہ صرف تیار کیا بلکہ انھیں مختلف علاقوں میں امامت وخطابت اور تعلیم وقیادت کے لیے نامزد بھی فرمایا جو آج آپ کے علمی وتبلیغی مشن کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

آپ بلند پایہ عالم دین اور مفتی اسلام کے ساتھ سنجیدہ ومتین خطیب بھی تھے۔ اشاعتِ مسلک اور اصلاحِ امت کے جذبۂ فراواں سے سرشار تھے۔ چنانچہ راقم الحروف کی دانست ومشاہدہ کے مطابق پورے صوبۂ بہار میں جب بھی اور جس نے بھی آپ کو اپنے کسی جلسہ کی سرپرستی، صدارت یا خطابت کے لیے مدعو کیا آپ بروقت پہنچتے اور اپنے قیمتی وعظ ونصیحت سے خطہ کے لوگوں کو فیض یاب کرتے۔ حمایتِ حق وحفاظتِ مذہب کے لیے ساری عمر بد دینی وبد مذہب کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ آپ کے علمی جاہ وجلال اور رعب وداب کے سامنے بدعقیدوں کے بڑے بڑے علما کو آپ سے مقابلے کی تاب نہ تھی بلکہ آپ کے نام سے لرزتے، کانپتے اور تھراتے تھے۔ بسا اوقات جو بدمذہب، بے دین آپ کے سامنے آیا، ذلیل ہوا اور آپ ہمیشہ غالب رہے۔ ان سب کے باوصف حضرت موصوف کی دینی خدمات امتیازی شان کی ہیں۔ ایسی ہی برگزیدہ شخصیت کے لیے ارشاد ہے: **موت العالِم موت العالَم**۔ ایک عالم دین کی وفات عالَم کی موت ہے۔ بارگاہِ رب کریم میں دعا ہے کہ آپ کی شخصیت کی صورت میں اہلِ سنت وجماعت کو جو عظیم خسارہ ہوا ہے مولیٰ عزوجل ان کا صحیح نعم البدل عطا فرمائے۔ ❑❑

☆ بانی وڈائریکٹر مجلس فکرِ رضا، لدھیانہ

ٹکراؤ اور اعراض

مفتی محمد رضا قادری مصباحی ☆

یہ دنیا جس قانون فطرت کے تحت بنی ہوئی ہے اس کے مطابق یہاں اختلاف کا پایا جانا ایک فطری امر ہے، اس کو روکا نہیں جا سکتا۔ اگر کسی کو اختلاف سے خالی معاشرہ کی تلاش ہو تو اسے اس زمین کو چھوڑ کر کسی اور زمین کا انتخاب کرنا چاہیے کیونکہ اختلاف سے خالی معاشرہ اس زمین پر ممکن نہیں۔ اس فطری اختلاف کے نتیجہ میں بسا اوقات وہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم ٹکراؤ سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی ابتدا، تشدد اور انتہا پسندی سے ہوتی ہے اور انتہا، ناکامی اور محرومی پر۔ اس انتہائی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے اسلام نے ایک اصول بتایا ہے اور وہ ہے اعراض۔

ٹکراؤ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک انتہا پسندانہ عمل ہے اور اعراض امن پسندانہ عمل۔ ٹکراؤ متشددانہ عمل ہے اور اعراض حکیمانہ تدبیر۔ ٹکراؤ کا نتیجہ تخریب ہے اور اعراض کا نتیجہ تعمیر۔ اعراض ایک مطلوب عمل ہے۔ (الحجر 95) جبکہ ٹکراؤ ایک غیر مطلوب عمل ہے۔ ٹکراؤ کی انتہا ناکامی پر ہوتی ہے جبکہ اعراض کی انتہا کامیابی پر۔

اس زمین پر مختلف ادیان و مذاہب، متنوع تہذیب و تمدن اور مختلف الآرا افکار و نظریات کے نتیجے میں باہمی امور و معاملات میں نزاعی صورت حال کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔ اب یہ آدمی کی اپنی سوچ پر منحصر ہے کہ وہ ان نزاعی معاملات میں اپنا مطلوب ٹکراؤ کی راہ سے حاصل کرے یا پر امن رہ کر اعراض کے طریقہ پر۔

جب حالات ناموافق ہو جائیں اور ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جائے تو اسلامی نقطۂ نظر سے صورتِ موجودہ کو اپنے حال پر باقی رکھتے ہوئے اعراض کا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسائل میں اُلجھے بغیر دوبارہ کام کے مواقع مل جائیں گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

اسلام کی اعلانیہ دعوت کے نتیجہ میں کافروں کی طرف سے جب مخالفانہ ردِ عمل کا سلسلہ شروع ہوا تو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کا طریقہ اختیار فرمایا۔ تین سالہ خفیہ تبلیغ کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سنا دیں اور مومنین کے لیے اپنے بازوئے رحمت کو بچھا دیں:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الشعراء 215-214)

اس کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان اور قبیلہ قریش کے لوگوں کو جمع کیا، خود صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور وہاں سے قریش کی مختلف شاخوں (بنو فہر، بنو عدی وغیرہ) کو آواز دینے لگے۔ لوگ آپ کی آواز سن کر آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو خود نہ آ سکا اس نے اپنا نمائندہ بھیجا تا کہ معاملہ کی حقیقت معلوم کرے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر قریش کے بڑے بڑے سردار اکٹھا ہو چکے تھے جس میں ابولہب بھی شامل تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے اس طرح مخاطب ہوئے:

''اے لوگو بتاؤ! اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے اس پار وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تو کیا تم اسے مان لوگے؟ سب نے بیک آواز کہا ہاں! ہم نے تو آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔''

پھر آپ نے فرمایا! ''میں تمھیں سخت عذاب سے ڈرانے کے لیے آیا ہوں۔'' اس کلام کو سن کر لوگ خاموش رہے، لیکن ابولہب غیظ وغضب کے عالم میں جل بھن اٹھا۔ اس نے کہا: **تَبًّا لَکَ یَا سَائِرَ الْیَوْمِ: الھذا جمعتنا؟** تمھارے لیے دائمی تباہی ہو، کیا تم نے ہم سب کو اسی لیے جمع کیا تھا۔ ابولہب کے اس جارحانہ کلام پر نبی خاموش رہے، کوئی جواب نہ دیا۔ اعراض کا طریقہ اختیار فرمایا، رب العٰلمین نے اپنے محبوب کے دُشمن کا جواب انتہائی پُر جلال اور ہیبت بھرے انداز میں دیا۔

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ مَا اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ.

حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال: لما نزلت: "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ." صعد صلی اللّٰہ علیه وسلم علی الصفا فجعل ینادی یا بنی فھر یا بنی عدی لبطون قریش حتی اجتمعوا. فجعل الرجل اذا لم یستطع ان یخرج ارسل رسولاً لینظر ماھو، فجاء ابولھب و قریش فقال: أرأیتکم لو اخبرتکم ان

☆ پرنسپل جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ذاکر نگر، نئی دہلی-25

خیلا بالوادی ترید ان تغبر علیکم ان کنتم مصدقی؟ قالو: نعم، ماجربنا علیک الا صدقا. قال فانّی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید. فقال ابولھب: تبا لک یاسائر الیوم الھذا جمعتنا. فنزلت: تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَاکَسَب. وفی روایة: ناداھم بطنا بطنا، و یقول لکل بطن.

(صحیح البخاری: کتاب التفسیر، سورۃ الشعراء)

اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت کے نتیجے میں قوم آپ کی دشمن ہوگئی، اسلام اور اس کے پیغمبر کے مشن کے خلاف غلط پروپیگنڈے کیے گئے، دعوت کے عمل کو روکنے کے لیے مختلف اسالیب کافروں نے اختیار کیے، جو سب کے سب ظلم وجبر پر منتہی ہوتے ہیں۔ جولوگ اسلام مذہب اختیار کرتے وہ اس کے داروگیر اور مظالم کا نشانہ بنتے۔ اہل اسلام کے اندران زیادتیوں کے نتیجے میں ردعمل کی نفسیات کا پیدا ہوجانا فطری امر تھا۔ ایسے موقع پر ان کی رہنمائی کی گئی اور کہا گیا۔

فَاصْدَعْ بِمَاتُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْن. آپ کو جوحکم ہوا ہے برملا اس کا اعلان کردیں اور مشرکین سے اعراض کریں۔ (الحجر 94/95)

یہ خطاب اگرچہ بلاواسطہ نبی سے ہے لیکن بالواسطہ تبعا امت کو بھی شامل ہے۔

اسلام کی دعوتِ توحید کا نغمۂ دلنواز بڑی تیزی کے ساتھ مکہ کے ذہین اور با اثر لوگوں کو متاثر کررہی تھی، مشرکین پر یہ صورت بڑی شاق گزری، ان کی مسلسل ریشہ دانیوں سے مکہ کے حالات مسلمانوں کے حق میں انتہائی حد تک ناموافق ہوگئے لیکن مسلمانوں نے صبر اور اعراض کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے دعوتی کاموں کو مسلسل جاری رکھا، اور نئے نئے مواقع تلاش کیے۔ اگر ایسے موقع پر اعراض کی جگہ ٹکراؤ کا طریقہ اختیار کیا جاتا تو تاریخ کا یہ عظیم انقلاب صحرائے عرب سے ظہور میں نہ آتا۔

بعض نوجوان صحابہ پر صبر واعراض کی یہ پالیسی شاق گزری، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، انھیں لوگوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے اور عرض کیا: **یانبی اللّٰہ! کنافی عزۃ ونحن مشرکون فلما آمنا صرنا أذلة** ۔ اے اللہ کے نبی! جب ہم حالت کفر میں تھے باعزت تھے اور جب مسلمان ہوئے تو ذلیل ہوگئے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب ارشاد فرمایا: **انی امرتُ بالعفو فلا تقاتلوا القوم** ۔ مجھے عفوودرگزر کا حکم دیا گیا ہے تو اے لوگو تم بھی مشرکوں سے لڑائی مول نہ لو۔ (''السیرۃ النبویة'' للدکتور محمد الصلابی، ص 162 مطبوعہ بیروت) ❑❑

بقیہ:— عہد جدید میں مطالعۂ سیرت النبی ﷺ

معروف نومسلم مفکر حسن عبدالحکیم (گائی ایٹن) کے الفاظ میں:

"Prophet Muhammad being the perfection and splendour of creation represents the human norm and is therefore the Model for every one. A Muslim has no choice but to model himself upon this 'perfect exemplar', imitating Muhammad so for as he is able, both in his character and in his mode of action. The Sunnah of the prophet provides not only a frame-work but also, as it were, a network of channels into which the believer's will enters and through which it flows smoothly both quided and quarded." (Islam and the Destiny of Man, P. 62, 186-187)

یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حسنِ تخلیق کا شاہ کار ہونے کے ناطے نوعِ انسانی کے لیے بہترین نمونہ اور کامل ترین رہنما ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں کہ جہاں تک ممکن ہوسکے وہ اپنے کردار اور شخصیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ کامل پر ڈھالنے کی کوشش کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نہ صرف ایک لائحۂ عمل مہیا کرتی ہے بلکہ یوں لگتا ہے جیسے وہ نہروں کا ایسا شاخ درشاخ جال ہو جس میں اہلِ ایمان کا منشاوارادہ داخل ہوکر محفوظ اور ہدایت یافتہ طریقے پر نہایت پرسکون اور سہل انداز میں مثل آب رواں دواں رہتا ہے۔

ان تصریحات سے آشکار ہے کہ انسان اگر اپنے وجود کی داخلی رعنائیوں کو اُجاگر کرنا چاہتا ہے اور نفس امارہ کی آلائشوں سے خود کو پاک کرکے ایک اُجلا، سندر اور البیلا جیون حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے خود کو ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوڑنا ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ نفس نفس اپنا شیوہ بنانا ہوگا۔ مطالعۂ سیرت ہی وہ پہلا قدم ہے جو انسان کو تزکیۂ روح اور تعمیرِ باطن کی راہ پر جادہ پیمائی کے لیے اُٹھانا ہوگا۔ جب تک سیرتِ طیبہ کا مطالعہ اور صحیح فہم انسان کو میسر نہ آئے وہ اپنی شخصیت، اپنے باطن اور اپنی روح کی سندرتا کو پانے کے لیے کوئی عمل، کوئی جدوجہد اور کوئی طریقہ بار آور ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔

انسانی وجود کی داخلی رعنائیوں کو پانے کا سفر جن راستوں سے گزر کر اپنی منزل تک پہنچتا ہے ان راستوں پر چلنے کے لیے قدم قدم پر ہمیں ایک سہارا، ایک اُجالا، ایک رہبری درکار ہے۔ یہ سہارا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتوں کا ہے، یہ اُجالا ان کے نورِ ذات کا اور یہ رہبری ان کے نقوشِ پا کی ہے۔ اور اس سب کو پانے کا صرف ایک ہی ذریعہ یعنی مطالعۂ سیرتِ طیبہ ہے۔ (جاری)

اسلامی تاریخ کے جھروکوں سے

عمران حمید اشرفی

جب دل کی دنیا بدل گئی:

حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب ’تہذیب التہذیب‘ میں تحریر فرماتے ہیں: دوسری صدی ہجری میں فضیل بن عیاض مشہور رہزن تھے۔ جب قافلے ان کے علاقے سے گزرتے تو ان پر لٹنے کا خوف طاری ہوتا اور حفظ ماتقدم کے طور پر رات کے وقت تو اپنا سفر قطعی ترک کردیتے اور کسی محفوظ پناہ گاہ میں شب باشی کرتے۔ فضیل کے ڈر سے یہ قافلے صرف دن میں سفر کرتے۔ فضیل بن عیاض دوران ڈاکہ کسی گھر کی دیوار پھاند کر نقب لگانا چاہتے ہی تھے کہ ان کے کانوں میں قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آئی۔ آپ آواز سن کر مسحور ہوگئے۔ تلاوت کرنے والا انتہائی دردمندی اور حلاوت سے پڑھ رہا تھا، وہ جو آیت پڑھ رہا تھا اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ’’کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لیے جھک جائیں۔‘‘ فضیل بن عیاض نے جب یہ سنا تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ انھوں نے جواب میں کہا ’’میرے رب کیوں نہیں‘‘ اس کی بعد ڈاکہ زنی سے توبہ کی اور اللہ سے ایسی لو لگائی کہ آپ عالم باعمل اعلیٰ درجے کے محدث اور فقیہ بنے۔

انصاف کی حکمرانی:

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں امام ابو یوسف اسلامی دنیا کے قاضی القضاۃ تھے۔ شان اسلام دیکھیں کہ امام ابو یوسف کی عدالت میں ایک مقدمہ ایسا پیش ہوا کہ فریادی ایک نصرانی تھا اور امام صاحب نے خلیفہ کے مقابلے میں نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا۔ کیا یہ کم بات تھی کہ ایک طاقتور خلیفہ عدالت کے کٹہرے میں ایک غیر مسلم کے ساتھ فریق بن کر کھڑے ہیں۔ یہ خلیفۂ وقت کا ظرف تھا۔ جب امام ابو یوسف کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا: ’’اے اللہ! میں نے مقدمات کے دوران کبھی کسی فریق کی طرف داری نہیں کی، ہاں! ہارون الرشید اور نصرانی کے مقدمے میں تمنا تھی کہ خلیفہ کے حق میں فیصلہ ہو اور حق ان کے ساتھ ہو، لیکن دلائل سننے کے بعد فیصلہ خلیفہ کے خلاف دیا۔ یہ کہہ کر امام صاحب زار و قطار روئے۔‘‘ (درمختار)

بے نیازی:

حلوان بن سمرہ بخارا کے مضافات میں رہا کرتے تھے۔ آپ دین کے شیدائی، عبادت گزار اور زہد و تقویٰ والے شخص تھے۔ دنیوی لطافتوں اور ناموری سے کنارہ کش تھے، ان چیزوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک دن آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور بارش کی صورت میں رحمت خداوندی کا نزول ہو رہا تھا۔ آپ اذان دے رہے تھے، اسی دوران حاکم وقت کا کارندہ آپ کے نام حاکم کا رقعہ لے کر پہنچا اور آپ کو دیا۔ آپ نے لفافے پر حاکم کا نام دیکھا تو وہ کیچڑ میں پھینک دیا اور فرمایا: ’’میں کب سے حاکم کے کارندوں میں شامل ہوا ہوں؟‘‘ حاکم وقت تک اس بات کی اطلاع پہنچ گئی، اس کا ظرف دیکھیے کہ وہ ناراض نہ ہوا اور کہا ’’خدا کا شکر ہے کہ میری رعایا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو میرا خط نہیں پڑھتے۔‘‘ (الانساب للسمعانی)

یا ارحم الراحمین کہنے کی کرامات:

حضرت لیث بن سعد فرماتے ہیں: زید بن حارثہ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے طائف سے ایک خچر کرایے پر لیا۔ خچر کے مالک نے کہا: میں خود آپ کے ساتھ رہوں گا اور جہاں میرا جی چاہے گا، وہاں اتار دوں گا۔ وہ انھیں لے کر ایک جنگل کی جانب چلا گیا اور پھر بالکل ویرانے میں جا کر کہنے لگا: یہاں اتر جائیے! وہ اتر گئے تو دیکھا کہ چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ اس نے انھیں قتل کرنا چاہا تو زید بن حارثہ نے فرمایا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے دو، پھر چاہے قتل کر دینا! اس نے کہا: ٹھیک ہے، پڑھ لو تم سے پہلے ان سب نے بھی نماز پڑھی تھی، مگر ان کی نماز انھیں نہ بچا سکی، لہٰذا تم اپنی خواہش پوری کر لو! حضرت زید بن حارثہ فرماتے ہیں: جب میں نماز پڑھ چکا تو وہ مجھے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ میں نے بے ساختہ کہا: ’’یا ارحم الراحمین!‘‘ یہ کہتے ہی ایک آواز اس نے سنی جو کہہ رہی تھی کہ انھیں قتل کرنے سے باز آجا! وہ کانپ اٹھا، اس جنگل میں اس کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا، وہ سوچنے لگا، یہ آواز کس کی ہے؟ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے کے لیے نکلا۔ جب کچھ نظر نہ آیا تو وہ پھر قتل کے لیے آگے بڑھا۔ زید بن حارثہ فرماتے ہیں، میں نے پھر کہا: ’’یا ارحم الراحمین!‘‘ تین مرتبہ میں نے یہ مبارک کلمہ پڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گھڑ سوار سامنے کھڑا ہے، اس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک بڑی سلاخ تھی، جس کے سرے پر آگ کا ایک شعلہ بلند ہو رہا تھا۔ اس نے آتے ہی اس ظالم کو وہ سلاخ کھونپ دی اور پلک جھپکنے کی مدت میں اسے ڈھیر کر دیا۔ پھر وہ گھڑ سوار مجھ

سے بایں الفاظ مخاطب ہوا: ''جب تم نے پہلی مرتبہ پکارا اس وقت میں ساتویں آسمان پر تھا، پھر جب دوسری مرتبہ پکارا اس وقت میں پہلے آسمان پر پہنچ گیا اور تیسری پکار پر آپ کے سامنے تھا۔''

بیس سال بعد شفا مل گئی:

حافظ عباس دوری کہتے ہیں: ''میرے پڑوسی علی بن حزارہ نے پنی والدہ کا ایک قصہ مجھے بیان کیا، وہ واقعہ ان ہی کی زبانی ملاحظہ کیجیے!'' علی بن حزارہ کہتے ہیں: ''میری والدہ کے پیروں میں فالج ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ معذور ہوگئیں، اس حال میں تقریباً بیس سال گزر گئے۔'' ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگیں: ''اگر تم احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہو اور ان سے جا کر درخواست کرو کہ وہ میرے حق میں دعا کر دیں تو امید ہے کہ میری یہ معذوری دور ہو جائے گی۔'' وہ کہتے ہیں کہ والدہ کا دل رکھنے لیے میں چل پڑا۔ دریا پار کر کے دوسرے کنارے پہنچا اور پھر حضرت کے گھر پر آیا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی: ''کون؟'' میں نے کہا ''ابوعبداللہ! آپ کا ایک دینی بھائی ہے، جو بڑی دور سے آیا ہے۔'' انھوں نے مجھے اندر بلایا اور پوچھا: ''کیا ہوا، خیریت تو ہے؟'' میں نے کہا: ''میری والدہ پاؤں سے معذور ہیں۔ انھوں نے مجھے دعاؤں کی درخواست کے لیے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کے حق میں دعا فرما دیں!'' امام احمد بن حنبل کہنے لگے ''ہمارے لیے کون دعا کرے گا؟'' مسلسل وہ یہ بات دہراتے ہے۔ مجھے پھر اصرار کرتے ہوئے شرم آئی، انھیں سلام کر کے جانے لگا تو ایک بوڑھی خاتون ان کے گھر سے باہر آئیں اور کہنے لگیں: ''میں نے ان کے ہونٹوں کو جنبش کرتے دیکھا ہے، لگتا ہے کہ وہ آپ ہی کے لیے کوئی دعا فرما رہے تھے۔'' بہرحال میں چلا آیا اور گھر پہنچنے پر دروازہ کھٹکھٹایا تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میری والدہ چل کر آئیں اور دروازہ کھولا۔ میں نے کہا ''یہ کیسے ہو گیا؟'' کہنے لگیں ''مجھے خود نہیں معلوم، مگر بس اچانک میں کھڑی ہو گئی۔'' یہ میری زندگی کا ایک ایسا مشاہدہ اور معجزہ تھا جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے بیس سال بعد اہل اللہ کی طرف سفر کی توفیق عطا کی جن کی دعاؤں کی برکت سے میری والدہ کو شفایابی مل گئی۔

قاضی ایاس کی ذہانت:

قاضی ایاس رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذہانت اور زیرکی میں ضرب المثل تھے، ان کی ذہانت کے بہت سے واقعات ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر ان سے کہا کہ میں نے کچھ مال فلاں شخص کے پاس امانت رکھوایا تھا، اب میں اس سے مانگتا ہوں تو وہ مکر جاتا ہے، قاضی ایاس رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو بلایا، اس سے حقیقت دریافت کی تو وہ صاف انکار کر گیا۔ اب قاضی نے مدعی سے کہا تم نے یہ مال کسے کس جگہ سپرد کیا تھا؟ وہ کہنے لگا جنگل میں ایک جگہ درخت کے نیچے۔ قاضی نے کہا، اچھا آپ اس درخت کے پاس جائیں، ہوسکتا ہے آپ نے وہاں امانت رکھوانے کی بجائے اسے دفن کر دیا ہو۔ مدعی چلا گیا تو قاضی دوسرے مقدمات کے فیصلوں میں مصروف ہو گئے اور پھر اس شخص کا خیال آیا تو اس سے پوچھا کیا مدعی اس درخت تک پہنچ گیا ہوگا؟ اس شخص نے جواب دیا نہیں، ابھی نہیں۔ بس! قاضی ایاس نے وہیں چور کو پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ جب اس کے ساتھ تمہارا معاملہ ہی نہیں ہوا تو تم اس درخت کو کیسے پہچانتے ہو؟ تم نے اندازہ کیسے لگایا؟ چنانچہ اس کی خیانت کا راز فاش ہو گیا اور پھر اسے خود جرم کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک واقعہ دو سبق:

حضرت شقیق بلخی اور حضرت ابراہیم بن ادہم دونوں ہم زمانہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار شقیق بلخی اپنے دوست ابراہیم بن ادہم کے پاس آئے اور کہا کہ میں ایک تجارتی سفر پر جا رہا ہوں، سوچا کہ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات کرلوں، کیونکہ اندازہ ہے کہ سفر میں کئی مہینے لگ جائیں گے۔ اس ملاقات کے چند دن بعد حضرت ابراہیم بن ادہم نے دیکھا کہ شقیق بلخی دوبارہ مسجد میں موجود ہیں، پوچھا آپ سفر پر نہیں گئے، کہا: گیا تھا، لیکن راستے میں ایک واقعہ دیکھ کر واپس ہوا، ایک غیر آباد جگہ پہنچا، وہیں میں نے پڑاؤ ڈالا، وہاں میں نے ایک چڑیا دیکھی جو اڑنے کی طاقت سے محروم تھی۔ مجھے اسے دیکھ کر ترس آیا، میں نے سوچا کہ اس ویران جگہ پر یہ چڑیا اپنی خوراک کیسے پاتی ہوگی۔ میں اس سوچ میں تھا کہ اتنے میں ایک اور چڑیا آئی، اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ وہ معذور چڑیا کے پاس اتری تو اس کی چونچ کی چیز اس کے سامنے گر گئی۔ معذور چڑیا نے اسے اٹھا کر کھالیا، اس کے بعد آنے والی طاقتور چڑیا اُڑ گئی، یہ منظر دیکھ کر میں نے کہا ''سبحان اللہ! اللہ جب ایک چڑیا کا رزق اس طرح اس کے پاس پہنچا سکتا ہے تو مجھے رزق کے لیے شہر در شہر پھرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے واپس چلا آیا۔'' یہ سن کر حضرت ابراہیم بن ادہم نے کہا کہ ''شقیق! تم نے اپاہج پرندے کی طرح بننا کیوں پسند کیا، تم نے یہ کیوں نہیں چاہا کہ تمھاری مثال اس پرندے کی سی ہو جو اپنی قوت بازو سے خود بھی کھاتا ہے اور اپنے دوسرے ہم جنسوں کو بھی کھلاتا ہے۔'' شقیق بلخی نے یہ سنا تو ابراہیم بن ادہم کا ہاتھ چوم لیا اور کہا کہ ''ابواسحٰق! تم نے میری آنکھ کا پردہ ہٹا دیا، وہی بات صحیح ہے جو تم نے کہی۔'' □□

برصغیر میں صوفیہ کرام کا منہج دعوت

محمد اکرام ساجد

امیر خورد شیخ نصیر الدین محمود کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کاتبِ حروف ایک دن اس بادشاہِ دین (شیخ نصیر الدین محمود) کی خدمت میں بیٹھا ہوا اس مشائخ روزگار کے جمال و کمال کو دیکھ کر مسرور ہو رہا تھا۔ اس موقع پر میری تربیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! آدمی کا نفس بمنزل ایک درخت کے ہے جو خواہشاتِ نفسانی کی مدد سے آدمی کی ذات میں جڑ پکڑتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے۔ اگر آدمی اسے بتدریج اور عزم و حوصلے سے عبادت، تقویٰ، قوت محبت و عشق کے زور سے ہر روز اس درخت کو ہلائے تو البتہ اس کی جڑ کمزور ہو جائے گی اور یہ درخت اکھڑنے کے قابل ہو جائے گا اور حق تعالیٰ کی بندگی اور پیر کی محبت کی وجہ سے یہ درخت اکھڑ جائے گا۔ آپ کی اس تقریر دل پذیر نے میرے دل پر بڑا گہرا اثر کیا اور آپ کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ واقعی مشائخ کبار کی نصیحت حق پر مبنی ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے نفس اور شیطان کو حقیر کیا ہوا ہوتا ہے اور اپنے اندرون سے ان دشمنوں کو بالکل نیست و نابود کر کے، حق سے وابستہ اور خلق سے قطع تعلق کیے ہوتے ہیں۔ جب شیخ، جبکہ وہ منظور نظر حق تعالیٰ ہوتا ہے، نصیحت کرتا ہے تو وہ نصیحت دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔'' (سیر الاولیا، ص 89-388)

چشتی صوفیۂ کرام نے اپنی خانقاہوں کا تربیتی نظام اس اصول کے تحت بنایا تھا کہ عوام کو اخلاقی درس کتابوں سے نہیں 'عمل' سے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ علما جو کچھ زبان سے کہا کرتے ہیں مشائخ اسی کو عمل میں دکھاتے ہیں، یعنی پند و نصیحت لسانِ حال سے مؤثر ہوتی ہے۔ لسانِ حال سے نہ ہو تو لسانِ قال سے کچھ نہیں ہوتا۔ (چشتی تعلیمات اور عصر حاضر میں ان کی معنویت، پروفیسر نثار احمد فاروقی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اشاعت اوّل 1982، ص 20)

ایجاز و اختصار:

بعض صوفیۂ کرام کے ہاں یہ بات بھی ملتی ہے کہ وہ دعوت دین کے سلسلے میں لمبے لمبے وعظوں کے بجائے ایجاز و اختصار سے کام لیتے تھے۔ یوں ان کے دل سے نکلے ہوئے جملے مخاطب کے دل پر اثر کر جاتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

(کلیاتِ اقبال اُردو، علامہ محمد اقبال، اسد پبلی کیشنز، لاہور، ص 199)

اس ضمن میں چند واقعات ملاحظہ کریں۔

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ بھیروی رحمۃ اللہ علیہ (م 1346ھ) جو کہ دورِ حاضر کی عظیم علمی و روحانی شخصیت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے جدِ امجد ہیں، کے بارے میں پروفیسر حافظ احمد بخش لکھتے ہیں:

''موضع میانہ گوندل کے ایک زمیندار میاں محمد بھوڑ آپ کے مرید تھے۔ وہ نماز میں سستی کیا کرتے۔ کسی نے آ کر شکایت کی۔ یا حضرت! میاں محمد بھوڑ آپ کا مرید بھی ہے اور نماز بھی نہیں پڑھتا۔ آپ نے میاں صاحب کو خط لکھا جو صرف ایک سطر پر مشتمل تھا کہ ''میاں محمد! دیکھنا کہ قیامت کے روز میں اور تم شرمندہ نہ ہوں۔'' اس سادہ سے جملے کا یہ اثر ہوا کہ میاں صاحب نہ صرف نماز پنجگانہ کے پابند ہو گئے بلکہ نماز تہجد بھی کبھی قضا نہ ہوئی۔''

(امیر السالکین حضرت پیر امیر شاہ، پروفیسر حافظ احمد بخش، ماہنامہ 'ضیائے حرم' لاہور، ج 33، ش 11، ماہ جمادی الثانی 1424ھ-2003ء، ص 82)

کھیوڑہ میں آپ کے عقیدت مند راجہ مکھن خان مرحوم تھے جو نمک کی کان کے کارکنوں کے نمبردار تھے۔ ان کا ایک دوست ملک فتح محمد ساکن دوالیاں جو بہت بڑا زمیندار تھا، شراب پینے لگ گیا اور یہ بری عادت رفتہ رفتہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس نے اپنی قیمتی جائیداد حتیٰ کہ زمین بھی بیچنی شروع کر دی۔ راجہ مکھن خان کو جب اپنے دوست کی عادت کا علم ہوا تو انھیں بڑا دکھ ہوا۔ سمجھانے کے لیے اس کے پاس گئے۔ بے تکلف دوست تھے، خوب سرزنش کی۔ اس نے کہا: راجہ صاحب! آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور مجھے طعن و تشنیع کر رہے ہیں۔ شراب پینا میری عادت بن چکی ہے، اب اس کے بغیر میرا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اگر شراب کے حصول کے لیے مجھے گھر تک فروخت کرنا پڑے تو میں باز نہیں آ سکتا، میری مجبوری ہے۔ راجہ صاحب اس کی صاف گوئی اور بے بسی پر از حد رنجیدہ خاطر ہوئے اور اسے کہا: اگر تم میرے مرشد کے پاس بھیرہ شریف چلو تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا، چنانچہ دونوں دوست بھیرہ شریف پہنچے۔ راجہ مکھن خان نے اپنے دوست ملک فتح محمد کو باہر بٹھایا اور خود حضرت امیر السالکین رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہو کر اپنا مدعا عرض کیا۔ ان کی گفتگو سن کر آپ نے کچھ دیر توقف فرمایا، پھر فرمایا: اپنے

دوست کو اندر بلاؤ۔ جب ملک فتح محمد حاضر خدمت ہوا تو آپ نے صرف اتنا فرمایا: ملک صاحب! شراب نہ پیا کرو۔ ملک صاحب خود بتایا کرتے تھے کہ آپ کے ایک جملہ نے میری حالت بدل کر رکھ دی۔ میرے دل میں شراب کے بارے انتہائی نفرت پیدا ہوگئی۔ جس چیز کے بغیر میرے لیے ایک لمحہ گزارنا مشکل تھا اب اس کے نام تک سے نفرت ہوگئی، پھر زندگی بھر طلب پیدا نہ ہوئی۔ ایک دن میرے پرانے ساتھیوں نے شراب کا بھرا جام زبردستی میرے منہ سے لگایا۔ جونہی شراب میرے ہونٹوں سے ٹکرائی مجھے قے شروع ہوگئی اور اتنی قے آئی کہ میرا حال برا ہوگیا۔ ملک صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مرد درویش کی ایک نگاہ نے میری ساری باطنی غلاظتوں کو صاف کر دیا۔

خواجہ غلام فرید چاچڑوی (م 1319ھ) کے حوالے سے مولانا نور احمد خاں فریدی لکھتے ہیں:

''ایک دن مجلس گرم تھی، ایک جانب نواب اور ارادتمندان دست بستہ سر جھکائے کھڑے تھے اور دوسری جانب مخدوم سید ولایت شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ فضل حق منگھیروی رحمۃ اللہ علیہ، سید غلام شاہ رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ کرم الدین پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سلطان احمد خاں صاحب بیلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فخر روزگار مشائخ اور علما صف بستہ نظر آرہے تھے۔ سب کی نظریں جھکی ہوئیں، مہر بلب اور ہر جانب ہو کا عالم، کسی کی کیا مجال کہ بغیر اذن زبان کو جنبش دے۔ عرض کرنے کا انداز یہ تھا کہ سائل دست بستہ حضور کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا، حضور محبوبانہ تبسم کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے تو پھر وہ مافی الضمیر عرض کرتا۔ دفعتاً ایک شخص نے عرض کرنے کی اجازت چاہی اور اشارہ پا کر بولا: ''سائیں دوزخ وِچ کیڑے لوگ ویسن؟'' (دوزخ میں کون لوگ جائیں گے) ارشاد ہوا: بھئی آپ نے بڑی بات پوچھی ہے، اس کا جواب فقیر کل دے گا۔

دوسرے دن جبکہ معمول کے مطابق بڑے بڑے امرا اور رؤسا جمع تھے۔ حضور نے فرمایا: وہ کون شخص تھا جو کل پوچھ رہا تھا کہ دوزخ میں کون لوگ جائیں گے؟ وہ شخص کھڑا ہوگیا اور دست بستہ عرض کی۔ حضور! میں تھا۔ حضور نے فرمایا: ادا ایہا 'میں' گھنے بندیاں کوں دوزخ وِچ گھن ویسی۔ یعنی میرے بھائی! یہی 'میں' بہت سے لوگوں کو دوزخ میں لے جائے گی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ متکبر امیروں کی گردنیں جھک گئیں۔'' (شرح دیوانِ فرید، ج1، ص30)

سبحان اللہ! خواجہ صاحب نے لمبے چوڑے وعظ کے بجائے چند جملے بول کر کئی متکبر امیروں کے غرور کو زائل کر دیا۔

صاحبزادہ غلام نظام الدین مرولوی خواجہ معظم الدین مرولوی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں رقم طراز ہیں:

''1260ھ/ 1845ء میں حافظ محمد امین اپنے بھانجے کو ساتھ لے کر سیال شریف حضرت شیخ کی زیارت کے لیے گئے۔ آمد و رفت کے وسائل کچھ سازگار نہ تھے۔ گھر سے پیدل چل پڑے۔ صعوبتیں اٹھاتے دو تین راتیں راستے میں ٹھہرے۔ جہاں جہاں راستے میں وہ رات ٹھہرتے وہاں سے پیر سیال کے مرید اُن سے شوق زیارت کا حال سن کر خود بھی تجدید ملاقات کے لیے ان کے ساتھ ہو لیتے۔ یوں ایک چھوٹا سا قافلہ بن گیا جو سراپا عالم شوق بن کر بالآخر ایک روشن اور سہانی صبح کے وقت سیال شریف پہنچ گیا۔ حضرت شیخ اس وقت نماز اشراق کی التحیات میں تھے۔ حضرت کو نوافل سے فراغت کی طرف آتے دیکھ کر اہل قافلہ میں شوق کی چنگاری بھڑک اٹھی اور خواجہ معظم الدین کے ضمیر میں 'پہلی ملاقات' کے نفسیاتی اضطراب نے ذہنی کشمکش کی ہلچل ڈال دی۔ حضرت شیخ خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلام پھیرا تو حافظ محمد امین نے قدم بوس ہو کر بھانجے کو اس عنوان سے پیش کیا کہ یا حضرت! دُعا فرمائیں، خدا اس بچے کو علم عطا فرمائے، اب تک تو یہ کھیل کود میں ہی سارا وقت ضائع کر دیتا ہے اور پڑھنے سے جی چراتا ہے۔

حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بچے کی لوح پیشانی کی طرف دیکھا تو بشاشت سے آپ کے چہرے کا ماحول ایک پُراسرار گل خنداں میں تبدیل ہوگیا۔ دراصل اس وقت آپ کچھ دیکھ رہے تھے۔ اسی کیفیت خاص میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ برخوردار پڑھا کرو، تم سے ہمیں بہت کام لینا ہے۔ خواجہ صاحب بیعت کر کے ماموں کے ساتھ پیر بھائی بن کر واپس آ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر 13 برس تھی۔ بس اتنی سی ملاقات تھی اور یہی الفاظ مبارک تھے جنھوں نے خواجہ صاحب کے لاشعور میں جاگزیں ہو کر اندر ہی اندر ایک انقلاب برپا کر دیا۔ روئی کا ڈھیر جتنا بھی بڑا ہو جلانے کے لیے ایک ننھی چنگاری ہی بہت ہے۔ حضرت سیالوی کا فرمان خواجہ صاحب مرولوی کی روح میں پیوست ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اس فرمان کی تعمیل میں ساری عمر کوشاں رہے اور بڑی سے بڑی فضیلت حاصل کرنے کے بعد بھی اندر سے مطمئن نہیں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ جس معیار پر حضرت شیخ مجھے لانا چاہتے تھے شاید میں وہاں تک نہیں پہنچ پایا۔'' (غلام نظام الدین مرولوی، صاحبزادہ ابوالمعظم، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، سن اشاعت 1399ھ، 1979ء، ص36-135)

گیانی مہیندر سنگھ مشہور بزرگ حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک بار قصبہ کے دو بڑے اور بااثر حضرات میں دشمنی کی بات یہاں

تک بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو بھی اس جھگڑے کا پتہ چلا۔ اتفاق سے ان میں سے ایک صاحب قدس بوسی کو حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم کو نہیں معلوم کہ بغض نفاق کی جڑ ہے اور نفاق سے ایمان خراب ہوتا ہے۔ وہ صاحب بے حد شرمندہ ہوئے اور ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ان پر آپ کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ فوراً جا کر جانی دشمن کو گلے سے لگایا، کدورت کے بادل چھٹ گئے۔ دونوں ایک ساتھ دربارِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپس میں صلح ہو جانے کا تذکرہ کیا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: دو بھائیوں میں عداوت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت نہیں۔ جاؤ عداوت سے ہمیشہ احتراز کرو۔'' (حاجی بابا (سید وارث علی شاہ) گیانی مہندر سنگھ، ماہنامہ 'ضیائے حرم' وارث الاولیا نمبر، لاہور، ج32، ش6، ذی الحجہ 1422ھ- مارچ 2003ء، ص60)

رنگِ همه جهتی:

بندوں کی طبائع اور مزاج مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا معیارِ صداقت ہوتا ہے۔ ایک کامیاب مبلغ اور داعی کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مخاطبین میں سے ہر ایک کی طبع اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے جس کے لیے جو انداز زیادہ مناسب ہوتا ہے اسے اسی انداز سے دعوت پیش کرتا ہے۔

صوفی محمد ابراہیم قصوری، میاں شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ تبلیغ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''آپ تبلیغ مختلف صورتوں میں فرمایا کرتے تھے۔ عوام کو موٹی موٹی مثالیں دے کر سمجھایا کرتے اور خواص کو ان کی سمجھ کے مطابق بیان کرتے۔ علما کو قرآن اور حدیث سے تبلیغ فرماتے اور غیر مسلموں کو ان کے بزرگوں کے حالات سنا کر تبلیغ کرتے۔ عوام کے روبرو بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پڑھ کر سناتے:

اُٹھ فریدا کوک توں جیوں کر راکھا جوار
جب تک ٹانڈا نہ گرے تب تک حال پکار

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے خداوند کریم کی یاد کر۔ جس وقت کوئی خاص لوگ حاضر ہوتے جو علمِ دینوی سے واقف ہوتے، آپ ان سے دریافت فرماتے کہ تم علمِ طبعیات پڑھے ہوئے ہو؟ وہ عرض کرتے کہ حضور پڑھے ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے: تمھارا امتحان تو بڑا کامل ہوگا کیونکہ سب چیزوں کی تاثیرات سے آپ واقف ہیں۔ یہ تاثیر ان چیزوں میں کس نے پیدا کی؟ اگر کوئی علما کی جماعت میں سے آتے تو آپ قرآن مجید لاتے اور انھیں قرآن مجید کی آیتیں دکھاتے جو ذکر کے متعلق ہوتیں، انھیں دکھاتے اور فرماتے: فقیر اور صوفی لوگ کیا بتلائیں گے۔ قرآن شریف میں جا بجا ذکر کی خداوند کریم نے آیتیں نازل فرمائی ہیں اور آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور توجہ ذکر کی طرف دلاتے اور فرماتے: علما اور فقرا کو چاہیے کہ حق بات کہنے سے خوف نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''حق کہنے سے تیری اجل قریب نہ ہو جائے گی اور تیری روزی بند نہ ہوگی۔'' بعض علما کو سختی سے سمجھاتے اور فرماتے: تم نے تو دین کو کھیل بنا چھوڑا ہے۔ جس وقت کوئی خاص الخاص شخص آتا تو ان کو خاص طرح کی توجہ سے سمجھاتے۔

(خزینۂ معرفت، محمد ابراہیم قصوری، پروگریسیو بکس، لاہور، 1982ء، ص228-227)

سید شریف احمد شرافت نوشاہی حضرت میاں صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک محفل کا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''ایک شخص جو کسی گاؤں کا امام مسجد تھا، نصیحت کا خواستگار ہوا۔ آپ نے فرمایا: نماز کا ترجمہ یاد کرو اور سوچ کر نماز پڑھا کرو اور فقہ کی کتابیں 'روشن دل'، 'نجات المومنین' اور 'پکی روٹی' وغیرہ کے مسائل کو از بر کرو۔ پھر اس سے پوچھا: تمھارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا: والد فوت ہو چکا ہے اور والدہ زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ادب سے کہو کہ والدہ زندہ ہیں۔ تم والدہ کی خدمت دل سے کرو اور ان کی تعظیم کا خیال رکھا کرو۔ تمھاری عبادت گھر ہی میں ہے، تمھیں کسی دوسرے کے پاس جانے کی کیا حاجت ہے۔'' (کلماتِ قدسیہ، سید شریف احمد شرافت نوشاہی، ادارہ معارف نوشاہیہ اعظمیہ، پیراں منڈی، مریدکے، 1392ھ، ص11)

مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے چند درویشوں کے ہمراہ ایک تالاب کے کنارے سے گزرے اور دیکھا کہ چند ہندو وہاں غسل کر رہے ہیں اور برہمنوں کو کچھ نقدی دے رہے ہیں لیکن ایک بوڑھا برہمن نہانے کا سامان لے کر مایوسانہ صورت بنائے بیٹھا تھا۔ مولانا نے اپنے درویشوں سے فرمایا: اگر آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں تو میں اس برہمن کو خوش کر دوں۔ درویشوں نے کہا: ہماری کیا مجال ہے کہ آپ کے کام پر ناخوش ہوں، پس مولانا اپنا لباس ہندوؤں کی طرح بنا کر اس کے پاس گئے اور کہا: میں نہانے آیا ہوں۔ وہ برہمن خوش ہو گیا اور اس نے اپنے طریقے کے مطابق مولانا کو غسل کرایا۔ مولانا نے اسے پانچ روپے دیئے اور بڑی معذرت کی کہ فی الحال اس قلیل معاوضے ہی کو کافی سمجھو۔ برہمن بڑا خوش ہوا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ غسل کی اتنی بڑی اجرت تو مجھے آج تک کبھی نہیں ملی تھی جتنی اس شخص نے دی ہے۔ مولانا نے اپنے مکان پر آ کر تجدیدِ غسل کر کے اپنا پاکیزہ لباس

پہنا۔ دوسرے دن پھر اسی برہمن کے پاس جا کر غسل کیا اور اس کو دس روپے دیئے، تیسرے دن پندرہ روپے دے کر غسل کیا۔ جب واپس آنے لگے تو برہمن بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے دین محمدی سکھاؤ، پس مولانا صاحب نے اس برہمن اور اس کے متعلقین کو مسلمان کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنالیا۔ (مرأۃ العاشقین (ملفوظاتِ خواجہ شمس العارفین) سید محمد سعید، اردو ترجمہ بنام پیر گوہر، صاحبزادہ غلام نظام الدین مرولوی، المعارف، لاہور، 1409ھ/ 1998ء، ص 134)

دیکھا آپ نے کہ خواجہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے موقع کی مناسبت سے ایسا منہج دعوت اختیار کیا کہ ایک برہمن کے لیے بھی اسلام قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔

خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ وہ ہر مرید کی استعداد اور صلاحیت کا علیحدہ جائزہ لیتے تھے اور پھر تربیت کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ وہ بالکل ایک طبیب کی مانند تھے جو مریض کے مزاج اور مرض کی نوعیت کو دیکھ کر دوائیں دیتا اور علاج کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حکیم مولوی محمد عمر سے فرمانے لگے: ''مہار' دارالشفاء ہے یہاں حکیم موجود ہے۔ حکیم نے فوراً جواب دیا:

''شفا بخش امراض ظاہر و باطنی ذات شریف حضور است کہ ہر آئندہ راز یارت حضور شفا صوری و معنوی حاصل می شود۔'' (تاریخ مشائخ چشت، ص 544)

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں ہر قسم کے لوگ آیا کرتے تھے، فقیر، امیر، گدا، نواب، سالک، قلندر، عالم اور ان پڑھ بھی اور اس کریم کے دروازے سے ہر شخص اپنی استعداد اور ظرف کے مطابق بہرہ ور ہوا کرتا۔ ہر شخص کی اصلاح و تربیت کے لیے ایسا انداز اختیار فرماتے جو اس کی نفسیات کے مطابق ہوتا۔ (مقالاتِ پیر محمد کرم شاہ، پیر محمد کرم شاہ الازہری، مرتب: پروفیسر حافظ احمد بخش، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول جنوری 1990ء، جلد 1، ص 20-419)

ملک شیر خان مرحوم، بندیال کے رئیس اعظم تھے اور حضرت کے نیاز مند بھی۔ رؤسا کی طرح یہ بھی کتوں کے بہت شوقین تھے۔ اعلیٰ نسل کے کتے پال رکھے تھے اور سفر میں بھی انھیں اپنے ساتھ رکھا کرتے۔ ایک مرتبہ اپنے مرشد کی زیارت کرنے سیال شریف حاضر ہوئے۔ کتوں کو حویلی میں باندھ دیا، شام کی اذان ہوگئی تھی اس لیے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں چلے آئے۔ ایک پستہ کتا چپکے چپکے پیچھے آ گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرض باجماعت ادا کر کے مسجد سے اپنی عبادت گاہ کی طرف جانے لگے، ایک خادم ہمراہ تھا، جب باہر نکلے اور پستہ کتا بیٹھے ہوئے دیکھا تو حضرت نے اپنے خادم کو حکم دیا: ملک شیر خان آیا ہے۔ یہ کتا اسی کا معلوم ہوتا ہے۔ تم یہاں ٹھہر و اس کی حفاظت کرو، مبادا عبداللہ سبز پوش اسے مارے۔ ملک کو اپنے کتے بڑے پیارے ہیں۔ (عبداللہ ایک درویش تھا جو آستانہ عالیہ پر کسی کتے کو آنے نہیں دیتا تھا، جو کتا اس کے ہتھے چڑھ جاتا اس کی خوب پٹائی کرتا)۔

ملک شیر خان کہتا ہے کہ میں نے حضرت کا یہ ارشاد سنا تو مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ دوڑ کر آیا اور اس درویش سے کہا کہ تم حضرت کے ساتھ جاؤ میں اب اس کی رکھوالی کرلوں گا۔ ملک صاحب لوگوں کو اپنے مرشد کا یہ واقعہ سناتے اور آبدیدہ ہو جاتے۔ حضرت نے مجھے ڈانٹا نہیں ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ میرے پاس خاطر کے لیے اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ اس کے بعد انھیں کتوں سے اس قدر نفرت ہوگئی کہ انھیں رکھنا چھوڑ دیا۔ (ایضاً ص 23-422)

تحصیل خوشاب میں 'انگہ' ایک مشہور قصبہ ہے۔ قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ چکی تھی۔ آپ کے تبحرِ علمی کے باعث علمائے عصر آپ کو استاد کل کہا کرتے تھے۔ ان کے فضل و کمال کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ حضرت قبلہ سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت کئی سال تک 'انگہ' میں قیام پذیر رہے اور آپ کے چشمۂ علوم و معارف سے سیراب ہوتے رہے۔ قاضی صاحب مذکور کو پتہ چلا کہ ان ہی کے ضلع شاہ پور میں سیال کے مقام پر ایک فقیر (خواجہ شمس العارفین) ظاہر ہوا ہے جو سماع سنتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید بنتے جا رہے ہیں۔ قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق سماع شریعت میں ناجائز تھا۔ ان کی ایمانی غیرت یہ گوارا نہ کر سکی کہ ان کے علاقہ میں خلاف شریعت فعل کو اتنا فروغ نصیب ہو، چنانچہ گدھے پر اپنی کتابوں کے انبار لاد کر مناظرہ کرنے کے ارادہ سے سیال شریف روانہ ہوئے۔ وہاں اپنے معتقدین اور ساز و سامان کے ساتھ ایسے وقت پہنچے جب حضرت شمس العارفین اپنی مجلس آراستہ کیے ہوئے معرفت کے موتی لٹا رہے تھے۔ قاضی صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، آداب مجلس کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔ حضرت نے قاضی صاحب کی بات سن کر بڑے تحمل سے فرمایا: قاضی صاحب! میری گردن بلکہ میری سات پشتوں کی گردن شریعت کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے خلاف

شریعت کام کرنے سے بچائے۔ یہ جواب سننے کے بعد قاضی صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر وضو کرنے کے لیے شرقی کنویں پر تشریف لے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے قوالوں کو اشارہ کیا تو انھوں نے پنجابی کے ان بولوں سے محفل سماع کا آغاز کیا:

جھنگ کنوں دل تنگ پیو سے پچھاں ہزاراں دیاں داتاں

میرے ماہی دیاں مٹھیاں باتاں جیویں کھنڈ نباتاں

قاضی صاحب سماع کی آواز سن کر غصے سے دوڑتے ہوئے آئے۔ بار بار کہہ رہے تھے: پھر بھی آپ باز نہ آئے۔ جب قاضی صاحب قریب پہنچے تو حضرت نے ایک بار نگاہ بھر کر دیکھا۔ ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور غش کھا کر گرے، ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور قوال برابر ان بولوں کو دُہرا دُہرا کر قاضی صاحب کی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑی دستار باندھا کرتے تھے جو ان کے علم و فضل کی گواہی دیتی تھی۔ اس مستی و شوق میں اپنی دستار سر سے اُتاری اور قوالوں کو جا کر دی۔ اس محفل پر کیف و مستی کا جو رنگ چڑھا ہوگا، اس کی ماہیت کیوں کر بیان کی جاسکتی ہے۔ قوال جب اس بول کا تکرار کرتے تو آپ تڑپتے اور یہ نعرہ لگاتے:

حق اویارو! حق اویارو!

حضرت ثانی غریب نواز اس محفل پاک میں حاضر تھے۔ جب قاضی صاحب نے اپنی دستار قوالوں کو جا کر نذر کی تو آپ چپکے سے اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں سونے چاندی کے جتنے زیورات تھے سب اٹھا کر لائے اور قوالوں کو پیش کر کے ان کے عوض قاضی صاحب کی دستار ان سے لے لی اور فرمایا: یہ عالم کی دستار ہے اور اسی کے سر پر زیب دیتی ہے، پھر قاضی صاحب کے سر پر وہ دستار باندھ دی۔ اعلیٰ حضرت غریب نواز نے اپنے فرزند دل بند کی اس ادا شناسی پر بڑے مسرور ہوئے اور آپ کو دُعاؤں سے نوازا۔ مردان خدا مناظرہ کے اکھاڑوں کو یوں اپنی چشم کرم سے عشق و محبت کے خیابان میں تبدیل کردیتے ہیں۔ (مقالاتِ پیر محمد کرم شاہ، پیر محمد کرم شاہ الازہری، مرتب: پروفیسر حافظ احمد بخش، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول جنوری 1990ء، جلد 1، ص 106-105)

نامور بزرگ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1386ھ) کے احوال میں مذکور ہے کہ ایک عورت حاضر ہوئی۔ عرض کیا: میرا لڑکا اوّل تو پابندی سے کام پر جاتا نہیں، جب جاتا ہے تو کما کر اپنے پاس رکھتا ہے، مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیتا، کتنا سمجھایا کہنا نہیں مانتا، ایسا تعویذ دے دو جو میرا کہنا مانے لگے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا: پانچوں وقت نماز پڑھتی ہو؟ نہیں، حضرت صاحب! کبھی کبھی پڑھتی ہوں، اس عورت نے جواب دیا۔ حضرت نے فرمایا: اب شکایت کیسی، تم کبھی کبھی اللہ کا کہنا مانتی ہو، تمھارا بیٹا بھی کبھی کبھی تمھارا کہا مان لیتا ہے۔ پابندی سے نماز پڑھا کرو تو وہ تمھارا کہنا مان لے گا۔

ایک اور عورت آئی، اس نے کہا: میرا لڑکا جوان ہوگیا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر محلے کے لڑکوں سے لڑ پڑتا ہے، ذرا ہاتھ پیروں میں جان ہے، اپنے ساتھیوں میں سے جس کو چاہتا ہے، مارتا ہے، پھر ان کے ماں باپ شکایت کرتے ہیں اور بات بڑھتی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: تمھارے پڑوسی کیسے ہیں؟ عورت نے کہا: اجی وہ بھی بڑے خراب ہیں مگر مجھ سے کوئی منہ نہیں لگتا، ایک کی چار سناتی ہوں، سب کو سیدھا کر دیا۔ حضرت نے فرمایا: بیٹے کا تو کوئی قصور نظر نہیں آتا۔ جیسا تم نے مدرسہ کھولا ویسا ہی شاگرد تیار ہوا۔ تم اپنا رویہ ٹھیک کرو، پڑوسیوں کے ساتھ خوب رکھو تو بیٹا بھی ٹھیک ہوجائے گا۔ عورت نے بڑی لجاحت کی، میرے بیٹے کے لیے دعا کریں تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہم تو تمھارے لیے دُعا کرسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (انوارِ مظہریہ، محمد یونس مظہری ہاڑی، ادارہ مسعودیہ، کراچی، اشاعت اول 1422ھ/2003ء، ص 18-417)

نامور محقق سید محمد فاروق القادری، جنید وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (م 1308ھ) کے احوال میں لکھتے ہیں:

''فقیر عمر الدین زنگیجہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ صاحب امروٹی کی زبانی بیان کرتا ہے کہ ایک ہندو حضرت والا کی خدمت میں بطور مہمان مقیم ہوا۔ آپ نے اسے کھانے پینے کے لیے جو برتن دلوائے، ایک دن وہ برتن چوری کرکے غائب ہوگیا۔ فقرا کو اطلاع ہوئی تو وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے اور اسے 'ڈھرکی' سے چوری شدہ سامان سمیت پکڑ لائے اور اسے مسجد کے دروازے کے نزدیک باندھ کر بٹھا دیا۔ حضرت والا اشراق پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے اور ہندو کو بندھا ہوا دیکھا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے کیوں باندھا گیا ہے؟ فقرا نے عرض کیا: حضور یہ شخص لنگر کے برتن چرا کر بھاگ رہا تھا، فقرا اسے ڈھرکی سے پکڑ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ اس سے اپنے باپ کا سامان چھین لیتے، اسے باندھ کر نہ لاتے۔ پھر آپ نے پوچھا: کون کون سے فقیر اسے پکڑ کر لائے ہیں؟ حاضرین نے ان کے نام بتائے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں جلدی بلاؤ۔ حاضرین نے عرض کیا: حضور!

ابھی ابھی انھیں خدمت عالی میں پیش کرتے ہیں۔ اتنی دیر میں اس ہندو نے عرض کیا: حضور! میں مسلمان ہوتا ہوں، یہ سنتے ہی اسے باندھ کر لانے والوں پر حضرت والا کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ آپ کے چہرے سے خوشی و مسرت ٹپکنے لگی۔ ادھر فوراً مولودخوانی شروع ہوگئی، حجام کو بلایا گیا اور ہندو کا ختنہ ہوا۔'' (جام عرفاں، سید محمد فاروق القادری، فرید بک اسٹال، لاہور، ص126)

ڈاکٹر عبدالغنی، امیر حزب اللہ سید محمد فضل شاہ ابن پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلالپوری کا انداز تربیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنے نیازمندوں کے دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ پیدا کر کے انھیں ان راہوں پر ڈال دیا جن کے لیے وہ فطرتاً اہلیت رکھتے تھے۔ جو کاروبار کی طرف مائل تھے ان کے ذہن کو آپ کی توجہات سے ایسی جلا نصیب ہوئی کہ ان کا کاروبار خوب چمکا۔ جو علم کی طرف میلان رکھتے تھے انھیں علمی لحاظ سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ جن کے دل میں تہور کا مادہ پایا جاتا تھا وہ افواج میں شامل ہوئے تو شجاعت اور مردانگی کے لحاظ سے نامور ہوئے اور جن کے قلوب فقر کی چاشنی سے پرورش پانے والے تھے انھیں حسب استعداد روحانی غذا عطا فرمائی۔ الغرض حضرت نے اپنے نیازمندوں کو زندگی کے ہر میدان میں اپنی اپنی افتادِ طبع کے مطابق پستی سے بلندی پر پہنچایا، ادنیٰ سے اعلیٰ بناڈالا۔

یہ روحانیت کا کمال ہوتا ہے کہ ناقص کامل بن جاتا ہے۔ خاک اکسیر کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ پرکاہ سے سنبل و ریحان کی خوشبو آتی ہے۔ خزف ریزے لعل و گوہر کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور ذرۂ ناچیز بدر کامل بن جاتا ہے۔'' (امیر حزب اللہ، ڈاکٹر عبدالغنی، ادارہ حزب اللہ جلال پور شریف، شوال 1384ھ، ص83-582)

اولیاءاللہ سے کرامتوں کا ظہور عقلاً جائز اور نقلاً ثابت ہے۔ عقلی جواز کے لیے یہی کافی ہے کہ کرامت ممکنات میں سے ایک ممکن شے ہے، محال نہیں اور ہر ممکن خدا کی قدرت کے تحت ظاہر ہوسکتا ہے، جیسے انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی اہلِ سنت کے مشائخ، عرفا، متکلمین، اہلِ اصول، فقہا اور محدثین سب کا مذہب ہے۔ اس پر مشرق و مغرب، عرب و عجم میں پھیلی ہوئی ان کی تصانیف شاہد ہیں، پھر اہلِ سنت کے جمہور ائمہ محققین کا صحیح ومختار مذہب یہ ہے کہ جو کام بھی کسی نبی کے ہاتھ پر بطور معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے وہ ولی کے ذریعہ بطور کرامت صادق ہوسکتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ معجزہ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ اور کفار کو مقابلہ کا چیلنج ہوتا ہے اور کرامت کے ساتھ یہ نہیں ہوتا۔ اس پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ولی پر قرآن جیسی کتاب بھی آسکتی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کے ساتھ نبوت کا دعویٰ لازم ہے اور ولی کے ہاتھ پر جو بھی خارق عادت خدا کی طرف سے ظاہر ہوگا، اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں ہوسکتا۔

اس فرق کی وجہ سے کرامت اور معجزہ کے درمیان التباس واشتباہ نہ ہوسکے گا، اس لیے کہ معجزہ کے ساتھ چیلنج ہوتا ہے اور نبی اس کا اظہار کرتا ہے جبکہ ولی اپنی کرامت کو چھپاتا اور پوشیدہ رکھتا ہے۔ اظہار اس وقت کرتا ہے جب ضرورت ہو یا اسے اس کی اجازت ملی ہو یا غلبۂ حال طاری ہو جس میں وہ بے قابو ہو یا کسی مرید کے یقین کو تقویت دینا مقصود ہو، ایسے مواقع پر اولیا کرام علیہم الرحمہ سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے:

- اولیاءاللہ میں سے بعض نے فضا میں ہاتھ اٹھایا جس میں شہد آگیا جو انھوں نے ایک مرید کو کھلایا۔
- ایک شیخ کامل نے ہزاروں کلومیٹر کے فاصلہ پر اپنے مرید کو کعبۃ اللہ کی زیارت کرادی۔
- ایک عارف حق نے منکر کرامت کو کعبہ کا طواف کرتے دکھایا۔
- اولیائے کاملین کے ایک گروہ کے گرد خانہ کعبہ کو طواف کرتے ہوئے معتبر مشائخ نے خود دیکھا ہے۔ ان دیکھنے والوں میں سے بعض ثقہ، متقی، بزرگ علما کی زیارت خود میں نے بھی کی ہے۔

(الروض الریاحین فی حکایات الصالحین، عبداللہ بن اسعد یافعی، اُردو ترجمہ بنام بزمِ اولیا، مترجم: مولانا بدرالقادری، رضا پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت دوم: دسمبر 2000ء، ص76-75)

صوفیا کرام کے منہج دعوت کا جائزہ لیتے وقت یہ بات بھی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ ان میں سے بعض نے بعض اوقات دعوت دین اور اصلاح احوال کا فریضہ بطور کرامات بھی سرانجام دیا۔ بطور استشہاد چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

- حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ اثنائے سفر ایک مقام پر پہنچے، یہ آتش پرستوں کی بستی تھی، وہاں آتش کدہ تھا جس میں روزانہ کثرت سے لکڑیاں جلتی تھیں۔ اس آتش کدہ کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے آتش پرستوں سے پوچھا۔ اس آگ سے کیا فائدہ؟ تم لوگ خدا کی عبادت کیوں نہیں کرتے! جس نے اس آگ کو خلق کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہمارے مذہب میں آگ کو دیوتا مانا گیا ہے۔ ہم اس کا احترام کرتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم اپنے ہاتھ آگ میں ڈال سکتے ہو؟ انھوں نے کہا: آگ کا کام جلانا ہے، کس کی مجال ہے جو اس کے

قریب بھی جائے۔ شیخ نے ایک بچے کو جو کسی آتش پرست کی گود میں تھا، لے لیا اور بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم. قُلۡنَا يَانَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرَاهِيۡمَ ۔(الانبیاء:16) پڑھتے ہوئے آگ میں داخل ہو گئے اور چار گھنٹے کے بعد واپس آئے۔ نہ آپ کے خرقہ کو آگ لگی اور نہ اس بچے کو آگ سے کوئی آنچ آئی۔ یہ منظر دیکھ کر تمام آتش پرست آپ کے قدموں پر گرے اور اسلام قبول کر لیا۔ وہ بچہ اور اس کا باپ منصب ولایت پر فائز ہوئے۔(تذکرہ صوفیائے بلوچستان، ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، مرکزی ادارہ اُردو بورڈ، لاہور، اشاعت اوّل: جون 1976ء، ص23)

● ”جب آپ ’اورنگ آباد‘ میں تشریف رکھتے تھے تو ایک شخص خون کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو پناہ دیجیے، چھپا لیجیے۔ حضرت نے فرمایا: اس مکان میں جو گھاس پڑی ہے اس کے اندر چھپ جا۔ تھوڑی دیر میں اس کے مدعی بھی آ پہنچے اور حضرت سے عرض کیا کہ ہمارا ملزم آپ کے ہاں آیا ہے، اس کو عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: فقیر کا گھر موجود ہے تم تلاش کر لو۔ ان لوگوں کو اتنی جرأت نہ ہوئی جو آپ کے مکان کی تلاشی لیتے، واپس چلے گئے مگر اس شخص کی جستجو میں رہے کہ جس وقت مل جائے انتقام لیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا صاحب نے جو سراسر خلق مجسم تھے، اس خونی سے ارشاد فرمایا کہ میاں! تیری حفاظت میرے ذمہ اس شرط سے ہے کہ جو کچھ میں بتاؤں اس پر عمل کرو ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ ارشاد ہو، میں دل و جان سے اس پر عمل کروں گا۔ حضرت نے اس کو نماز پڑھنے کے لیے فرمایا اور ایک حجرہ اس کو عنایت کر دیا۔ خونی یادِ الٰہی میں مشغول ہوا۔ اس کے چند روز کے بعد حضرت اس کے پاس تشریف فرما ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ اس کا حال بالکل متغیر ہے اور وہ مجذوب ہو چلا ہے۔ اس نے حضرت کو دیکھ کر قدموں پر سر رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ فرصت کے وقت تھوڑی دیر باہر آ کر فقیر کے پاس بیٹھا کرو۔ اس نے ایسا ہی کرنا شروع کیا۔ چند روز میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ جو کچھ زبان سے کہتا وہی ہو جاتا اور جس پر نظر ڈالتا اس کی حالت متغیر کر دیتا اور اس کو اپنا بنا لیتا۔ اتفاق سے ان ہی دنوں میں اس کے مدعیوں کو پختہ طور پر معلوم ہوا کہ وہ شخص حضرت کی خانقاہ میں موجود ہے، چنانچہ وہ بقصد گرفتاری پھر ’اورنگ آباد‘ آ موجود ہوئے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خونی سے فرمایا کہ جاؤ اپنے مدعیوں سے معافی چاہو۔ خونی فوراً بے خوف و خطر اپنے مدعیوں کے پاس چلا گیا۔ مدعیوں نے دیکھتے ہی دور سے ہتھیار سنبھالے تا کہ اپنا انتقام لیں مگر جب قریب ہوئے اور آنکھیں چار ہوئیں تو سب قدموں پر گر پڑے اور عجب حالت وارفتہ سب کی ہو گئی۔ انھوں نے نہایت ادب سے اپنے پاس آنے کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ مجھے حضور مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمھارے پاس بھیجا ہے کہ میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے بخوشی معافی دے دی اور حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قدموں پر گر پڑے اور ارادت سے مشرف ہوئے۔“ (رقعاتِ مرشدی (مکتوباتِ مولانا فخر جہاں دہلوی)، شاہ محمد عبدالصمد فخری، اُردو ترجمہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، مکتبہ زاویہ لاہور، اشاعت اوّل 2000ء، ص38-37)

● جب پیر پٹھان رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ مہار شریف سے علومِ ظاہری و باطنی حاصل کر کے تونسہ شریف پہنچے تو وہاں کے ایک مولوی صاحب جو امام مسجد تھے، گھبرائے اور خیال آیا کہ میرا مولویانہ ورثہ کہیں یہ نہ لے لیں۔ آپ کے پاس مناظرہ کی غرض سے حاضر ہو کر سوال کیا: بتاؤ ایمان کے کتنے رکن ہیں؟ آپ نے اشارہ کر کے فرمایا: دو (تیرے ایمان کے) ایک ڈھوڈھا روٹی کا، دوسرا پیالہ پانی کا۔ مولوی بیچارہ ہفتوں تک طنز کی صورت میں کہتا رہا: دیکھو مسلمانو! ان کو ایمان کے ارکان بھی نہیں آتے اور صرف روٹی پانی کی طرف ہی خیال ہے۔

آپ نے مولوی صاحب کے مستقبل کے حال کی طرف اشارہ فرمایا لیکن وہ بیچارہ کیا سمجھتا۔ الحاصل وہی مولوی صاحب زیارت حرمین شریفین کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ بحری جہاز پر سوار تھے، طوفان آیا، کسی پہاڑی سے ٹکرا کر جہاز پاش پاش ہو گیا۔ مولوی صاحب ایک تختہ پر رہ گئے۔ وہ تیرتا تیرتا کہیں دور قدرت خداوندی سے کنارے پر جا لگا۔ چند روز کا بھوکا پیاسا بے حس و لاچاری کے عالم میں جنگل کا راستہ لیا۔ بالآخر انتہائی بھوک اور پیار کی شدت سے زمین پر لیٹ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا۔ خود مولوی صاحب کا بیان ہے کہ اس وقت معاذ اللہ ایمان کی نعمت سے محروم ہو رہا تھا کیونکہ یہ بدعقیدگی غالب ہو رہی تھی کہ حج کا ارادہ اور حرمین شریفین کا راستہ اور اتنی ذلت و خواری کا ہونا ایمان سے بعید ہے۔ اس قسم کا کفریہ کلمہ منہ سے نکالنے ہی والا تھا کہ اچانک حضور پیر پٹھان رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک ڈھوڈھا روٹی کا اور ایک پیالہ پانی کا تھا جس میں لقمہ لقمہ بھگو کر میرے منہ میں ڈالتے رہے اور فرمایا کہ آہستہ آہستہ کھاتا رہ۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میرا دل زیادہ کھانے کو چاہتا تھا لیکن آپ نے فرمایا: حرص نہ کر تھوڑا کھا، چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق میں نے تھوڑا تھوڑا کھایا، نیز فرمایا: یہ ہیں رکن تیرے ایمان کے اور تشریف لے جاتے

وقت بتایا کہ کل ایک بیڑا (جہاز) دور سے آتا ہوا تجھے دکھائی دے گا ان کو اشارہ کرنا وہ لوگ تجھے سوار کرلیں گے۔ دوسرے روز ایک بیڑا دور سے نظر آیا۔ جب اشارہ کیا تو انھوں نے سوار کرلیا۔ جب مولوی صاحب تونسہ شریف پہنچے تو حاضر ہوتے ہی پیر پٹھان رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کی اور آپ کے غلام ہوگئے۔ (انوارِ قمریہ (ملفوظاتِ خواجہ محمد قمرالدین سیالوی)، قاری غلام احمد سیالوی، ادارہ تعلیماتِ اسلاف، لاہور، اشاعت دوم: جولائی 1995ء، ص23-222)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ (م1120ھ) کے احوال میں لکھا ہے کہ:

''آپ مادرزاد ولی تھے اور آپ کے بچپن ہی سے آپ کا فیض جاری ہوگیا تھا۔ جو غیر مسلم آپ کے چہرہ انور پر نظر ڈالتا وہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتا۔ آپ کی اس کرامت سے غیر مسلم اتنے پریشان ہوئے کہ ان کے سرکردہ آدمی وفد کی شکل میں آپ کے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوکر ملتمس ہوئے کہ جب بھی اس بچے کو گھر سے باہر نکلنا ہو تو پہلے اعلان کردیا جائے تاکہ ہم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہا کریں اور اپنے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہونے سے بچ جائیں۔'' (الف: تعارف حضرت سخی سلطان باہو، مشمولہ شمس العارفین، العارفین پبلی کیشنز، لاہور، ص14۔ (ب) تعارف حضرت سخی سلطان باہو، مشمولہ عین الفقراء، العارفین پبلی کیشنز لاہور، دسمبر 2004ء، ص18)

☆ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ شہر دہلی سے ایک جوان قصبہ اجودھن کی طرف روانہ ہوا تاکہ سلطان المشائخ فریدالملت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاکر تائب ہوجائے اور ارادت کا شرف حاصل کرے۔ اس کو راستے میں ایک پریشان حال خوبصورت مغنیہ ملی۔ وہ مطربہ اس فکر میں تھی کہ اس جوان سے تعلق پیدا کرے۔ چونکہ وہ جوان درست نیت رکھتا تھا اس لیے اس مطربہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ایک منزل پر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ جوان اور فاسقہ مغنیہ دونوں ایک گاڑی میں سوار ہوئے۔ وہ مطربہ گاڑی میں اس جوان کے نزدیک آکر اس طرح بیٹھ گئی کہ ان دونوں کے درمیان حجاب اور رکاوٹ نہ رہی۔ مطربہ نے ناز وغمزہ شروع کیا۔ ان حرکتوں سے اس جوان کا دل قدرے اس کی جانب متوجہ ہوا اور آہستہ سے اس جوان نے اپنا ہاتھ اس مطربہ کی طرف بڑھایا۔ اس وقت اس نے ایک مرد کو دیکھا کہ فوراً ظاہر ہوا اور اس جوان کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ شیخ کی خدمت میں تو یہ اور ارادت کی نیت سے جارہا ہے اور دل میں فسق و فجور کی طرف مائل ہے۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہوگیا۔ اس جوان نے جب یہ واقعہ دیکھا تو وہ گاڑی سے اُتر آیا۔ جب وہ حضرت سلطان المشائخ فریدالملّت والدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے پہلی بات جو اس جوان سے کہی یہ تھی کہ تجھ کو خدا تعالیٰ نے اس روز کہ جب تو مطربہ کی طرف مائل ہوا تھا اپنے فضل سے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد اس کو مرید کیا۔ (سیر العارفین، حامد بن فضل اللہ جمالی، اُردو ترجمہ: محمد ایوب قادری، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، اشاعت دوم: جنوری 1989ء، ص52-51)

● ہندو پجاریوں اور پروہتوں کا ایک گروہ رام دیو مہنت کی سرکردگی میں بڑے طمطراق سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو زیر کرکے شہر بدر کرنے کے لیے آیا۔ رام دیو سب سے آگے تھا۔ جب وہ قریب آیا تو خواجہ غریب نواز نے نظر اٹھا کر اس کو دیکھا۔ وہ جلال ایمانی سے لرز اٹھا۔ اس نظر کیمیا اثر نے دل کی دنیا ہی بدل دی اور وہ قدموں میں گر کر اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ اسلام لانے کے بعد یہ 'شادی دیؤ' یا 'سعدی دیؤ' کے نام سے مشہور ہوا۔ (خواجۂ خواجگان، محمد جمیل احمد، غضنفر اکیڈمی، کراچی، 1995ء، ص108)

حضرت شیخ سعدالدین مموبہ ایک زبردست عالم باعمل تھے جو ظاہری اور باطنی قوت علم کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرایا کرتے تھے۔ خراسان کے بادشاہ کو خیال ہوا کہ آپ اہل اللہ میں سے نہیں، چنانچہ ایک دن بادشاہ سیب کے باغ میں تھا۔ آپ بھی بغرض عبادت یہاں آئے اور عبادت کرنے لگے۔ بادشاہ نے دل میں کہا: اگر یہ شیخ صفائی قلب رکھتا ہے تو اپنے نور باطن سے معلوم کرکے پاؤ گھنٹہ (15 منٹ) کے اندر اندر ایک سرخ سیب توڑ کر میری گود میں پھینک دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شیخ اٹھے اور ایک سرخ سیب توڑ کر اس کی گود میں پھینکا اور کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور ہم خادم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت سے سب کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اس واقعہ سے کئی آدمی اسلام لائے اور صراط مستقیم پر گامزن ہوتے ہوئے آپ کی بدولت خوش انجام ہوئے۔ (تذکرہ خواجہ گیسو دراز، اقبال الدین احمد، اقبال پبلشرز، کراچی، اشاعت اوّل: 1966ء، ص78-77)

خلاصہ کلام یہ کہ صوفیائے برصغیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حسن اخلاق، عفو ودرگزر، شفقت وترحم، ہمدردی وخیرخواہی، مثالی کردار، کرامات اور دیگر اوصاف حمیدہ کے ذریعے یہاں کے باشندگان کو خوب متاثر کیا۔ خلوص نیت کے ان پیکروں اور عملی کردار کے عظیم میناروں کی دعوت، یوں سرعت سے پھیلی کہ برصغیر کا چپہ چپہ نورِ اسلام کی تابانیوں سے منور ہوگیا۔ بے عمل مسلمانوں کی اصلاح ہوئی اور یوں ایک مثالی معاشرہ کا قیام عمل میں آیا۔ □□

امام زین العابدین علی بن حسین — حیات، افکار، تعلیمات

تاج العلما مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی☆

حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما چوتھے امام ہیں۔ علی[1] اسم شریف اور ابوالحسین وابومحمد و ابوبکر و ابوالقاسم وابوعبداللہ (**علی تعدد الاقوال**) کنیت مبارک اور سجاد وزین العابدین وذکی وامین و سیدالعابدین وذوالثفنات القاب مبارک۔ (نور وسنوات وتہذیب وشجرہ)

مشہور تر کنیت ابوالحسن اور مشہور تر لقب زین العابدین ہے (اسعاف)

حلیۂ مبارک:

گندمی رنگ، لاغر بدن، چھوٹا قد۔ شاعر حضرت کے فرزدق وغیرہ اور نگہبان دراپوحیلہ اور نقش خاتم مبارک "وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰه" تھا (نور) بیعت طریقت وخلافت حضرت کو اپنے والد ماجد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھی۔ (النور والبہاء وغیرہ)

ولادت شریف:

اپنے جدامجد امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی شہادت کے وقت 40ھ میں دو برس کے تھے اور اپنے والد ماجد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت 61ھ میں 23 برس کے۔ (تہذیب وصواعق واتحاف)

سن ولادت میں اگرچہ اقوال متعدد ہیں مگر ان دونوں واقعات کے لحاظ سے 38ھ میں ولادت شریف ہونے کا قول زیادہ قرینِ صحت معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارے جدامجد حضرت سید شاہ حمزہ نے فص الکلمات میں نیز نور و اسعاف نے اپنی کتابوں میں اسی پر اقتصار کیا ہے۔

ولادت شریف مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ماہ یوم ولادت میں بھی اقوال متعدد ہیں۔ مگر علامہ آزاد بلگرامی نے شجرۂ طیبہ میں اور صاحبان نور و اسعاف نے اپنی کتابوں میں پنجم شعبان روز پنجشنبہ ہی پر اقتصار کیا ہے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ اُم ولد تھیں یزدجرد (آخری بادشاہ فارس) پسر شہریار بن شیرویہ بن پرویز بن ہرمز بن کسریٰ نوشیرواں کی بیٹی شہر بانو[2] نام اور شاہِ زنان لقب۔ (مراۃ وشجرہ واسعاف وسنوات وغیرہ)

ابوالقاسم زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں نقل کیا ہے نیز سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ جب فاروقِ اعظم کے عہد خلافت میں ایران کے قیدی مدینہ منورہ میں لائے گئے تو ان میں یزدجرد کی تین لڑکیاں بھی تھیں۔ حضرت عمر نے منادی کو حکم دیا کہ ان کی بولی بولے اور نقاب ان کے چہروں سے دور کر دی جائے تاکہ مسلمان موافق پسند ایک دوسرے سے بڑھ کر قیمت لگائیں۔ مگر انھوں نے اپنے چہرے نہ کھولنے دیئے اور اس کے سینہ میں ٹھوکا مارا۔ حضرت عمر نے ناراض ہوکر درّہ اٹھانا چاہا اور یہ رونے لگیں۔ یہ دیکھ کر مولیٰ علی نے فرمایا: اے امیر المومنین! رکیے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کسی قوم کا عزت والا ذلیل ہوجائے اور مالدار فقیر ہوجائے تو اس پر رحم کرو۔ حضرت عمر کا غضب ٹھنڈا پڑا اور حضرت مولیٰ علی نے فرمایا کہ: بادشاہوں کی اولاد کے ساتھ عام بازاری لوگوں کی لڑکیوں کا سا معاملہ نہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمر نے فرمایا پھر آخر انھیں کس طرح بیچنا چاہیے (تاکہ مال غنیمت تقسیم ہو)۔ مولیٰ علی نے فرمایا: ان کی قیمت لگوایئے اور جب قیمت مقرر ہوجائے تو جو انھیں لینا چاہے وہ لے لے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیمت لگوائی اور خود حضرت مولیٰ علی نے ان تینوں کو لے لیا۔ پھر ان میں سے ایک کو تو خود حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو دے دیا جن سے ان کے صاحبزادے حضرت سالم پیدا ہوئے اور ایک کو اپنے صاحبزادے حضرت سیدنا امام حسین کو دیا جن سے حضرت کے صاحبزادے امام زین العابدین تولد ہوئے اور ایک کو حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا جن سے ان کے صاحبزادے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ پس یہ تینوں حضرات آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں اور تینوں کی مائیں بادشاہِ فارس کی بیٹیاں۔

مبرد کی کتاب 'کامل' میں ایک حکایت طویل کے بعد ہے کہ اس سے پہلے اہل مدینہ منورہ لونڈیوں کو بی بی بنانا مکروہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ تینوں حضرات لونڈیوں سے پیدا ہوئے اور اپنے زمانے والوں پر تمام اہل مدینہ میں علم دین وفقہ وورع وتقویٰ میں فائق اور امام مُسلّم ہوگئے۔ تو لوگوں کو لونڈیوں میں رغبت پیدا ہوگئی۔ (مراۃ وشجرہ واسعاف)

فضائل مبارکہ:

حضرت وارثِ برکاتِ نبوت، حاملِ فضائلِ امامت، زین عباد، شمع اوتاد،

---

[1] اسعاف ونور سنوات میں ہے کہ علی اصغر حضور ہی کو کہتے تھے اور نظم اللالی میں خواجہ محمد پارسا کی فصل الخطاب میں ہے کہ چونکہ حضرت اپنے جدامجد مولیٰ علی کے سامنے پیدا ہوگئے تھے اس لیے علی اصغر کہلاتے تھے۔

[2] بعض نے حضرت زین العابدین کی والدہ کا نام سلافہ اور بعض نے سلامہ یا غزالہ بھی بتایا ہے مگر مشہور شہر بانو ہی ہے۔

اکرم واعبداہل زمانہ، اکابر سادات کرام واجلہ ثقات واعلام تابعین عظام سے تھے۔ (اکمال وغیرہ)

حضرت امام ابوسفیان ابن عینیہ نے امام زہری سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے کسی قریشی کو امام علی بن حسین سے افضل نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے: میں نے ان سے بڑھ کر فقیہ کسی کو نہ دیکھا۔ امام مالک نے فرمایا: اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں (اُن کے زمانے میں) اُن کا مثل نہ تھا۔ حضرت سعید ابن المسیب نے فرمایا: میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار، خدا سے ڈرنے والا کسی کو نہ دیکھا۔ ایسا ہی ایک جماعتِ سلف سے مروی ہے اور بعض سلف نے جن میں سے ایک حضرت سعید بن المسیب ہیں فرمایا: ہم نے ان سے بڑھ کر فضل والا نہ دیکھا۔ حضرت امام یحیٰ بن سعید محدّث نے فرمایا: میں نے (یہ حدیث) امام علی بن حسین سے سنی اور وہ بہترین قریشی ہیں جنھیں میں نے پایا۔ (تہذیب التہذیب ومراۃ الجنان وغیرہ)

سیرت شریفہ:

حضرت بہت بڑے عابد، متقی، خاشع وخائف من اللہ الواحد القہار تھے۔ یہاں تک کہ جب وضو کرنے بیٹھتے چہرۂ مبارک کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو بدن کانپنے لگتا۔ لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا تم نہیں جانتے کہ کس (مالک جبار) کی حضوری میں کھڑا ہوتا ہوں۔ اور جب آندھی چلتی تو حضور (خوف خدا سے) غش کھا کر گر پڑتے۔ (مرآۃ الجنان وصواعق)

حضرت سعید بن المسیب اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ: حضرت وصالِ مبارک تک ہر رات اور دن میں ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے اور اپنی اس عبادت گزاری کی کثرت وحسن ہی کے سبب سے حضرت کا لقب زین العابدین مقرر ہو گیا۔ (صواعق وتہذیب التہذیب ومرأت واسعاف وغیرہ)

شواہد النبوۃ اور شجرۂ طیبہ میں ہے کہ زین العابدین سے ملقب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت نمازِ تہجد پڑھ رہے تھے کہ شیطان لعین ایک اژدہائے مہیب وخوفناک کی صورت میں سامنے آیا تاکہ ڈرا کر نماز سے باز رکھے اور آکر حضرت کی انگشت پائے مبارک کو پکڑ لیا۔ مگر حضرت نے اب بھی التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ اس خبیث نے حضرت کو اذیت بھی پہنچائی، مگر حضرت نے نماز قطع نہ فرمائی۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے حضرت پر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ مردود شیطان ہے۔ اب حضرت نے اسے سخت ودرشت کہہ کر طمانچہ مار کر فرمایا کہ: اے ملعون ذلیل وخوار ہوکر دور ہو۔ جب وہ دُور ہو گیا تو حضرت نے چاہا کہ کھڑے ہوکر آپ اپنا بقیہ وِرد تمام فرمالیں۔ اس وقت ایک غیبی آواز جس کا کہنے والا دکھائی نہ دیتا تھا تین بار یہ سنی کہ "انت زین العابدین" آپ زین العابدین ہیں۔

امام ابن المدینی حضرت جابر سے راوی ہیں، انھوں نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور امام حسین حضور کی گود میں بیٹھے ہوئے اور حضور ان کو کھلا رہے تھے پس حضور نے فرمایا: اے جابر! ان کے ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کا نام 'علی' ہوگا جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی اُسے اس لقب سے پکارے گا کہ سید العابدین کھڑے ہوں تو ان کا وہ بیٹا کھڑا ہوگا۔ پھر اس کے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام محمد (امام باقر) ہوگا۔ اے جابر اگر تم اسے پانا تو اسے میرا اسلام کہنا۔ (صواعق)

استقامت وصبر وتوکل علی اللہ کا یہ مرتبہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت کے دولت خانہ مبارک میں آگ لگ گئی اور حضرت اسی مکان میں نماز کے سجدے میں تھے۔ لوگوں نے چلّانا شروع کیا: اے ابن رسول اللہ! آگ لگ گئی، مگر حضرت نے اپنا سر سجدے سے نہیں اٹھایا۔ آگ بجھ جانے کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کو کس وجہ سے اس آگ کی طرف توجہ نہ ہوئی، فرمایا: مجھے آخرت کی اس ہولناک آگ نے اس طرف توجہ کرنے سے باز رکھا۔ (مراۃ واسعاف وغیرہ)

حضرت سفیان بن عینیہ سے روایت ہے کہ ایک بار امام زین العابدین نے حج کا احرام باندھا۔ جب آپ کی سواری آپ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور جھرجھری آکر جاڑا چڑھ آیا۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آپ لبیک نہ کہہ سکے۔ عرض کیا گیا کہ حضور لبیک کیوں نہیں فرماتے۔ فرمایا ڈرتا ہوں کہ میں تو لبیک کہوں اور مجھے جواب دیا جائے کہ لا لبیک، تمھاری لبیک قبول نہیں۔ عرض کیا گیا کہ لبیک کہنا تو ضروری ہے۔ اس پر آپ نے لبیک فرمائی۔ مگر کہتے ہی غش کھا کر سواری سے گر پڑے۔ یہی حالت برابر ہوتی رہی یہاں تک کہ اسی طرح آپ نے حج پورا فرمایا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ: آپ نے حج کے لیے احرام باندھا۔ پس جب لبیک کہا تو غش کھا کر ناقۂ مبارک سے گر پڑے اور کمزور ہو گئے۔ (تہذیب)

حضرت صدقہ پوشیدہ دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ. ابن عائشہ کہتے ہیں کہ: اہل مدینہ کہتے امام علی ابن حسین کے بعد ہی ہم نے مخفی صدقہ کھویا۔ محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: مدینہ منورہ میں کچھ لوگ خوش وخرم (بلا ذریعہ معاشِ ظاہری) عیش وآرام سے زندگی گزارا کرتے تھے، اس سے واقف نہ تھے کہ ان کی بسر اوقات کہاں سے ہوتی ہے۔ جب امام زین العابدین نے وفات پائی تو وہ جو انھیں رات

میں (رزق و مال) پہنچتا تھا جاتا رہا۔ تب پتہ چلا کہ حضرت انھیں رات میں خفیہ خرچ پہنچاتے تھے۔ (تہذیب ونور)

جود وسخا کا یہ مرتبہ تھا کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں: میرے والد ماجد امام علی ابن حسین نے اپنے مال کو اللہ عزوجل کے لیے دوبار بانٹا اور فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ مومن گنہگار پر بہت توبہ کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ امام علی بن موسیٰ رضا اپنے آبائے کرام کی سند سے فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین نے فرمایا: میں اللہ عزوجل سے اس بات میں حیا کرتا ہوں کہ میں اپنے کسی (مسلمان) بھائی کے لیے اس سے جنت طلب کروں اور خدا سے مال دنیا دینے میں بخل کروں۔ (تہذیب) رات میں اپنی پشت مبارک پر لاد کر روٹیوں کی خورجی لے جاتے اور فقرا پر تصدق فرماتے اور کسی پر ظاہر نہ کرتے یہاں تک کہ بعد وصال جب لوگوں نے نہلایا تو پشت مبارک پر بوجھ اٹھانے سے جو بڑا سیاہ ڈھٹا پڑ گیا تھا وہ نظر آیا اور اس وقت پتہ چلا کہ حضرت رات کو آٹے کا بورا اٹھا کر لے جاتے اور فقرائے مدینہ پر تصدق فرماتے۔ نیز بعد وصال دریافت ہوا کہ حضور سو گھرانوں کو کھانا پہنچاتے تھے۔ منادی کہتے ہیں کہ: مرض موت میں حضرت کے پاس محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم آئے اور رونے لگے۔ حضور نے سبب پوچھا۔ کہا مجھ پر پندرہ ہزار دینار قرض ہیں۔ فرمایا بس یہ بات ہے اچھا اُنھیں ہم ادا کردیں گے اور ادا فرما دیے۔ (نور واسعاف)

ایک بار آپ حج کے لیے چلے۔ آپ کی بہن حضرت سکینہ نے ایک ہزار درہم آپ کو بھجوائے۔ لوگوں نے وہ موضع حرّہ (قریب مدینہ منورہ) میں آپ کی خدمت میں حاضر کیے۔ آپ جب سواری سے نیچے اُترے تو وہ سب اسی وقت مساکین کو تصدق کر دیے۔ (نور)

عفو اور درگزر کا یہ عالم تھا کہ اس بارے میں آپ سے مثال دی جاتی تھی۔ عجیب عجیب وقائع اس بارے میں آپ سے منقول ہیں۔ ایک دن آپ مسجد سے نکلے۔ ایک شخص ملا اور آپ کی شان میں بہت سخت گستاخی کی۔ آپ کے خدام اور غلاموں نے ادب دینا چاہا آپ نے انھیں روک کر اس شخص سے فرمایا: کس چیز نے تجھ سے ہمارا حق چھپا لیا۔ کیا تجھے کوئی حاجت ہے تو ہم تیری مدد فرمائیں۔ اب وہ شرمندہ ہوا۔ آپ نے اسے اپنی چادر مبارک اُڑھا دی اور پانچ ہزار درہم اور دلوائے۔ وہ بولا میں گواہی دیتا ہوں۔ بے شک حضور اولاد مصطفیٰ سے ہیں۔ (**علیہ وعلیٰ اولادہ الصلوٰۃ والسلام**)

ایک شخص نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا: اے شخص میرے اور جہنم کے درمیان ایک عقبہ ہے، اگر میں اس سے بخیریت گزر گیا تو مجھے تیرے اس بُرا بھلا کہنے کی پروا نہیں اور اگر میں اس سے نہ گزر سکا تو میں اس سے زائد کا مستحق ہوں جو تو نے کہا۔ کیا تجھے کوئی حاجت ہے۔ یہ کرم دیکھ کر وہ شخص اپنی گستاخی پر شرمندہ ہوا۔ (نور واسعاف)

جب کسی شخص کی نسبت آپ کو یہ خبر پہنچتی کہ اس نے آپ کو بُرا کہا تو آپ اس کے گھر تشریف لے جاتے اور اس سے بہ مہربانی ولطف ارشاد فرماتے۔ اگر جو تم نے ہمیں کہا وہ حق ہے تو اللہ ہمیں بخشے اور اگر وہ باطل ہے تو اللہ تمھیں بخشے۔ **والسلام علیک و رحمة الله و بركاته.** (طب)

ایک شخص نے حضور کی شانِ مبارک میں بہت زبان درازی کی اور بُرا کہا مگر حضور دانستہ اس سے کترا گئے۔ اس پر اس نے (یہ سمجھ کر کہ شاید حضور نے سنا نہیں) یوں جتایا کہ یہ میں آپ ہی کو کہہ رہا ہوں۔ حضور نے جواب دیا: اور میں بھی تجھی سے درگزر کر رہا ہوں۔ اور اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا: ''**خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ**''

ایک بار کسی نے آپ پر کچھ افترا باندھا۔ آپ نے فرمایا: اگر میں ایسا ہوں جیسا تو مجھے بتاتا ہے تو میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں، اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا تو مجھے کہتا ہے تو خدا تجھے بخشے۔ وہ شخص یہ عفو و کرم دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور حضرت کا سر مبارک چوم کر عرض کیا: میں آپ پر فدا ہوں۔ آپ ہرگز ویسے نہیں جیسا میں نے افترا باندھا۔ حضور مجھے بخش دیں۔ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ وہ شخص بولا **اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَه**۔ (یعنی یہ عفو و کرم خاندانِ نبوت ہی کی شان ہے)۔ (مرأت)

خوفِ خدا قلب مبارک پر اس قدر غالب تھا کہ اکثر اوقات رویا کرتے اور واقعۂ ہائلہ کربلا کے بعد سے تو مدۃ العمر کبھی کسی نے آپ کو ہنستے نہ دیکھا۔ (نظم اللالی)

جویریہ کہتے ہیں: امام علی بن حسین نے اپنی حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قرابت کی وجہ سے (یعنی ان کا نام لے کر) کبھی ایک درہم بھی نہ کھایا۔ (تہذیب)

اپنی طہارت و وضو وغیرہ میں کسی کی اعانت پسند نہ فرماتے۔ عادتِ کریمہ یہ تھی کہ اس کے لیے پانی خود ہی کھینچتے اور آرام فرمانے سے پہلے سے ڈھانپ کر رکھ دیتے۔ پھر جب رات میں (نماز تہجد وغیرہ کے لیے) اٹھتے تو پہلے مسواک فرماتے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے اور دن کے جو

وظیفے اور ورد رہ گئے ہوتے انھیں ادا فرماتے۔ تہجد کی نماز سفر اور حضر میں ترک نہ فرماتے۔ ایک بار وضو کے لیے پانی وظیفہ کے وقت میں ہی آپ کے قریب رکھ دیا گیا۔ آپ نے ہاتھ برتن پر رکھا پھر سر مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چاند اور تاروں میں اس خالقِ بے مثال کی صنعت وقدرت میں غور کرنے لگے اور ایسے مستغرق ہوئے کہ ساری رات گزر گئی۔ مؤذّن نے صبح اذان دے دی اور حضرت کا ہاتھ ویسے ہی برتن پر رکھا رہا اور گزر جانا معلوم نہ ہوا۔ (اسعاف ومراۃ وغیرہ)

اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ بہت ہی برّ واحسان، ادب واحترام مدِّنظر رکھتے۔ ایک بار آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ کیا بات ہے باوجود یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ بہت ہی برّ واحسان فرماتے ہیں، مگر آپ کو ان کے ساتھ ایک رکابی میں کھاتا نہیں دیکھتے۔ فرمایا اس لیے کہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میرا ہاتھ اس پر پہلے نہ جا پڑے جس پر ان کی آنکھ پہلے پڑی ہو۔ (مراۃ)

تواضع وانکسار اس قدر تھی کہ ایک بار ایک قوم نے حاضرِ خدمت ہوکر حضرت کی صفت وثنا کی۔ فرمایا: ”ما اکذبکم و احرأکم علی اللّٰہ نحن من صالحی قومنا فحسبنا ان نکون من صالحی قومنا.“ (تہذیب) کس قدر غلط گو اور بے باک ہو تم اللہ عزوجل پر (یہ کہنے میں) کہ ہم اپنی قوم کے نیکوں میں سے ہیں۔ پس ہم کو یہی کافی ہے کہ ہم اپنی قوم کے صالحین میں ہو جائیں۔

بعض ارشادات عالیہ:

حضرت طاؤس فرماتے ہیں: ایک رات مسجد الحرام شریف کے مقام حجر میں داخل ہوا۔ یکایک امام زین العابدین آئے اور کھڑے ہوکر جس قدر اللہ نے چاہا نماز پڑھی پھر ایک طویل سجدہ فرمایا۔ میں نے کہا یہ اہلِ بیت نبوت سے ایک بزرگ ہیں۔ سننا چاہیے سجدے میں کیا دُعا کر رہے ہیں۔ پس میں نے سنا کہ حضرت یہ دُعا فرما رہے تھے: ”عبدک بفنائک مسکینک بفنائک سائلک بفنائک فقیرک بفنائک.“ اے اللہ! تیرا بندہ تیرے آستانِ کرم پر ہے، تیرا مسکین تیری چوکھٹ پر ہے، تیرا منگتا تیرے دروازہ پر ہے، تیرا فقیر تیرے درِ فضل و رحمت پر ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں: قسم اللہ کی میں نے کسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ کے ساتھ نہیں پکارا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے کھول دیا۔

حضرت امام کا ارشاد ہے: جو اس پر قانع ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں کر دیا وہ سب لوگوں سے غنی ہے۔

اور فرماتے ہیں: آزاد مردوں کی عبادت صرف اللہ عزوجل کے ادائے شکر کے لیے ہوتی ہے نہ کسی خوف و رغبت کی نظر سے۔ اور فرماتے: مجھے تعجب ہے اس متکبر سخت فاجر (کی سمجھ) پر (کہ کس برتے پر وہ غرور کرتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ) کل وہ نطفہ تھا اور اگلی کل مردار جیفہ ہونے والا ہے۔

اور فرماتے ہیں: مجھے سخت تعجب ہے اُس سے جو اللہ (کی الوہیت، وجود وحدانیت اور قدرت) میں شک کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کی مخلوق کو آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

اور فرماتے ہیں مجھے (اس کی سمجھ پر) تعجب ہے جو دوسری زندگی کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ پہلی زندگی کو اس نے آنکھ سے دیکھ لیا۔ اور فرماتے ہیں مجھے تعجب ہے اس پر جو فانی گھر کے لیے تو سامان کرتا ہے اور دار البقا کو چھوڑ دیتا ہے۔

جب کوئی شخص آپ کی شان گھٹاتا، گستاخی کرتا تو آپ اسے یہ دعا دیتے: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو مجھے بخش دے اور اگر یہ جھوٹا ہے (اور اس نے مجھے ناحق ستایا ہے) تو اسے بخش دے اور فرماتے:

وماشی احب الی اللئم
اذا شتم الکریم من الجواب

خوار وذلیل کو جب وہ کسی کرم والے جلیل المرتبہ کو بُرا کہے اس سے زیادہ پسند کوئی بات نہیں کہ وہ کرم والا اسے پلٹ کر جواب دے۔

اور فرماتے ہیں: مجھے تعجب ہے جو کھانے سے تو اس کی مضرت کی وجہ سے بچتا ہے اور گناہ سے اس کی کراہت کی وجہ سے نہیں بچتا ہے۔

اور فرماتے ہیں: چار چیزیں ہیں جن کی بلندی بھی پستی ہے۔ ایک لڑکی اگر چہ مریم صفت ہو (یعنی بہ نسبت اپنے مقابلہ مردوں کے اس کی بلندی پست ہے) دوسرے قرض اگر چہ ایک ہی درہم ہو۔ تیسرے اپنے وطن سے دُوری اگر چہ ایک ہی رات۔ چوتھے سوال اگر چہ یہ کہ راستہ کدھر ہے۔

ایک بار حضور بیمار ہوئے ایک گروہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم آپ کی عیادت کے لیے آیا اور انھوں نے فرمایا: اے ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ پر ہم قربان آپ کیسے رہے؟ فرمایا الحمد للہ بعافیت۔ آپ سب کیسے رہے؟ انھوں نے فرمایا: قسم اللہ کی! ہم سب آپ کے چاہنے والے اور آپ سے محبت کرنے والے رہے۔ حضرت نے فرمایا: جس نے ہم

سے اللہ کے واسطے محبت رکھی اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جبکہ سوائے اللہ کے سایۂ رحمت کے دوسرا سایہ نہ ہوگا، اس ہمیشہ رہنے والے سایہ میں امن دے گا اور جو ہم سے محبت رکھے گا اور اس کا بدلہ ہم سے چاہے گا اللہ تعالیٰ اُسے ہماری طرف سے جنت بدلہ دے گا۔ جو ہم سے کسی دنیاوی غرض کے لیے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اُسے گمان نہ ہو۔ (اسعاف ونور وطبقات)

نافع بن جبیر بن مطعم نے حضرت سے عرض کی: آپ کم مرتبہ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: میں اس کے ساتھ بیٹھتا ہوں جس کے ساتھ مجالست میں اپنے دین میں نفع اٹھاؤں۔

عبدالعزیز ابن ابی اپنے والد سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام کو یہ کہتے سنا اور آپ سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ حضرات شیخین کریمین ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منزلت بارگاہِ رسالت میں کیسی تھی؟ تو امام نے اپنے ہاتھ سے قبر شریف کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کہ جیسی اب ان کی حضور اقدس کی خدمت میں منزلت ہے۔ (تہذیب) یعنی جیسے اب ان کے مزارات، مزارِ اقدس سے ملحق اور متصل ہیں اسی طرح وہ حیاتِ ظاہری میں بھی بارگاہِ رسالت پناہ میں محبوب ومقرب تھے۔

حضرت فرمایا کرتے تھے: بعض لوگ اللہ عزوجل کی عبادت (اس کے عذاب سے) ڈر کر کرتے ہیں یہ تو عبادت غلام کی ہے۔ (کہ وہ بھی اپنے آقا کی فرماں برداری اس کے قہر وغضب کے خوف سے کرتا ہے)۔ اور بعض لوگ اللہ کی عبادت (اس کی بخشش وعطا میں) رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں، یہ عبادت سوداگروں کی ہے۔ (کہ وہ بھی وہی سودا کرتے ہیں جو انھیں سودمند زیادہ ہو)۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے ادائے شکر میں کرتے ہیں (یہ جان کر کہ عذاب وثواب تو اس کی مشیت پر ہے جو چاہے ہمیں دے۔ مگر ہم پر اس کا حق ہے کہ اس کی عبادت بہر حال کریں) یہ عبادت آزاد مردوں کی ہے، جو خالصاً بوجہ تعالیٰ ہر کام کرتے ہیں۔ (مراۃ)

حضرت کشفِ حقائق ونطقِ دقائق میں مشہور تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ دنیا وآخرت میں سعیدترین کون ہے؟ فرمایا: وہ کہ جس وقت راضی ہو تو باطل پر راضی نہ ہو اور جس وقت اسے غصہ آئے تو وہ غصہ اسے حق سے باہر نہ لے جائے اور یہ صفت پرلے درجے کی استقامت والے لوگوں کی ہے۔ اس لیے کہ باطل پر راضی ہونا یہ بھی باطل اور غصے میں حق سے ہاتھ کھینچ لینا یہ بھی باطل اور مومن باطل پسند نہیں ہوتا۔

اور فرماتے ہیں: میں اپنے خلاصہ علم کو پوشیدہ رکھتا ہوں تاکہ جاہل لوگ ان حق باتوں کی وجہ سے (بوجہ اپنی جہالت کے ان کے اصل معنی مراد نہ سمجھ کر) مجھ سے برگشتہ نہ ہوں۔ یہ خاصانِ خدا کا علم ہے۔ اگر میں اسے ظاہر فرماؤں تو لوگ (اپنی نادانی اور حقیقی معنی مراد تک نارسائی کی وجہ سے) مجھے بت پرست کہنے لگیں اور مسلمان میرے قتل کو حلال جانیں۔ اور جو بدی مجھے پہنچا سکیں اسے صواب سمجھیں (فص الکلمات)

وصیّت مبارکه:

حضرت نے اپنے صاحبزادے امام محمد باقر کو وصیت فرمائی کہ پانچ شخصوں کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان سے بات چیت کرنا۔ ایک فاسق، پس بیشک وہ تم کو ایک نوالہ اور اس سے بھی کم میں بیچ ڈالے گا۔ انھوں نے عرض کیا وہ کم کیا ہے؟ فرمایا: جس کی طمع کرتا ہے اور اسے پاتا نہیں (یعنی محض موہوم فائدہ کے لیے بھی بیچ ڈالے گا)۔ دوسرے بخیل کو مصاحب نہ بنانا، پس وہ تم سے اسے جدا کردے گا جس کی طرف تم زیادہ حاجت مند ہو۔ تیسرے جھوٹے کو مصاحب نہ بنانا، اس کی مثال سراب (دھوکے کے تالاب) کی طرح ہے، نزدیک کو تم سے دُور کرے گا اور دور کو نزدیک بتائے گا۔ چوتھے بیوقوف کو مصاحب نہ بنانا، پس وہ اپنے نزدیک تمھیں نفع پہنچانا چاہے گا اور (درحقیقت) پہنچادے گا ضرر۔ پانچویں صلہ رحم قطع کرنے والے کو مصاحب نہ بنانا پس وہ بے شک کتاب اللہ میں تین جگہ ملعون ہے۔ سورہ محمد کی آیات فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ (الٰی) اَعْمٰی اَبْصَارِ هُمْ۔ میں اور سورہ رعد کی آیت وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ (الٰی) سُوْءِ الدَّار میں۔ سورہ احزاب کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰه ورسوله (الٰی) عذاباً مهينا۔ میں (اتحاف)

احادیث کی روایت:

احادیث کی روایت میں بھی آپ کا بڑا مرتبہ ہے۔ اجلہ محدثین واکابر ائمہ جرح وتعدیل کے بعض اقوال آپ کی جلالتِ شان وتوثیق مکان میں اوپر گزرے۔ نیز امام ابن سعد نے طبقات میں فرمایا: حضرت طبقۂ ثانیہ میں ہیں۔ تابعین اہلِ مدینہ منورہ سے ثقہ مامون (محفوظ) کثیر الحدیث، عالی ورفیع پرہیزگار۔ امام عجلی نے فرمایا: مدنی ہیں۔ تابعی ثقہ حاکم محدث جلیل اپنی سند کے ساتھ راوی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے فرمایا: کل سندوں میں صحیح تر سند الزهری عن علی بن الحسين عن ابيه عن علی رضی

اللّٰہ تعالیٰ عنھم ہے۔(تہذیب التہذیب)

امام اجل زہری نے آپ سے ایک حدیث روایت کی اُس سند میں آپ کا ذکر اس طرح فرمایا:

حدثنی علی بن الحسین و کان افضل اھل بیتہ و احسنھم طاعۃ و احبھم الی مروان و عبدالملک. (تاریخ صغیر)

یہ حدیث مجھ سے امام علی بن حسین نے روایت کی جو اپنے اہل بیت میں سب سے زائد فضل والے اور سب سے اچھی طاعت وعبادت والے اور سب سے زائد مروان و عبدالملک کے نزدیک پسندیدہ و محبوب (یعنی باوجود کہ ملوک بنی امیہ خصوصاً مروان کا اہلِ بیت نبوت سے جو معاندانہ برتاؤ اور ان سے دشمنی کا حال تھا معلوم ہے مگر حضرت کو مروان و عبدالملک بھی اہلِ بیت نبوت میں سب سے زائد محبوب رکھتے تھے) حضرت حدیث کی روایت اپنے والد ماجد سیدنا امام حسین اور عم اکرم سیدنا امام حسن اور حضرات ابن عباس ومسور بن مخرمہ وابوہریرہ اور بی بی عائشہ اور بی بی صفیہ بنت حیی اور بی بی ام سلمہ اور ان کی صاحبزادی زینب بنت ابی سلمہ اور ابورافع مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے بیٹے عبید اللہ بن ابی رافع اور مروان بن الحکم وعمرو بن عثمان وذکوان ابی عمرو مولیٰ ام المومنین عائشہ وسعید بن المسیب وسعید بن مرجانہ وبنت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ **عن الصحابہ و من تبعھم باحسان الی یوم الدین** سے کرتے ہیں۔اور امیر المومنین مولیٰ علی سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔اور حضرت کے صاحبزدگان محمد زید و عبداللہ وعمر وابوسلمہ بن عبدالرحمٰن وطاؤس بن کیسان (کہ یہ دونوں حضرت کے معاصرین سے ہیں) اور امام زہری وابوالزناد وعاصم بن قتادہ وعاصم بن عبیداللہ وقعقاع بن حکیم و زید بن اسلم وحکم بن عتیبہ وحبیب بن ابی ثابت وابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل ومسلم بطین ویحییٰ بن سعید الانصاری وہشام بن عروہ وعلی بن زید بن جدعان وغیرہم کرتے ہیں۔ (تہذیب، تاریخ صغیر، اسعاف)

اولاد امجاد:

نور الابصار میں فصول مہمہ نیز صواعق محرقہ میں ہے کہ حضرت کے گیارہ بیٹے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔اور بغیۃ الطالب میں حضرت کی اولاد صرف دس صاحبزادے ہی بتائی ہے۔(نور)

اور صاحب فصول مہمہ نے جو نام صاحبزادوں کے گنائے ہیں وہ بھی دس ہیں۔ممکن ہے کہ گیارہواں نام ان سے ذکر کرنے سے رہ گیا ہو۔ بہرحال انھوں نے نام یہ بتائے ہیں: امام ابوجعفر محمد باقر (ان کی والدہ ماجدہ ام عبداللہ حضرت سیدنا امام حسن کی صاحبزادی تھیں)، حضرت زید شہید وعمر (یہ دونوں ایک اُمّ ولد کے بطن سے تھے)، عبداللہ وحسن وحسین (یہ تینوں ایک امّ ولد کے بطن سے تھے)، حسین اصغر وعبدالرحمٰن وسلیمان (ان کی ماں بھی ایک امّ ولد تھیں)، علی جو سب سے چھوٹے بیٹے حضرت کے تھے وخدیجہ یہ دونوں بھائی بہن ایک امّ ولد سے تھے۔فاطمہ وعلیّہ وام کلثوم یہ تینوں بہنیں ایک امّ ولد کے پیٹ سے تھیں۔(نور)

اور تحفۃ الطالب اور شجرۂ طیبہ میں ہے کہ امام زین العابدین کے ابنائے معقبین (جن سے نسل مبارک چلی) چھ تھے۔امام محمد باقر وعبداللہ باہر وعمر اشرف وزید شہید وحسین اصغر وعلی اصغر اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

وفات شریف:

سال وصال میں متعدد اقوال ہیں اور آپ کے پوتے حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے یہ روایت کرتے ہیں کہ وقت وصال حضرت کی عمر شریف 58 برس کی تھی۔یعنی 58 سال آپ نے دیکھے تھے۔اور چونکہ 61ھ میں وقت شہادت امام حسین آپ 23 برس کے تھے لہٰذا اس کا مقتضا یہ ہے کہ وصال شریف 94ھ یا 95ھ میں ہوا۔(تہذیب) حضرت امام جعفر صادق کے صاحبزادے حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ کا وصال 94ھ میں ہوا۔(تاریخ صغیر) اور اسی پر دول الاسلام واسعاف ونور الابصار و مراۃ الجنان واتحاف میں اقتصار کیا اور بلحاظ 38ھ سال ولادت ہونے کے اسی کی مؤید ہے۔

صواعق وغیرہ کا یہ قول کہ آپ کی عمر 57 سال کی تھی جب آپ نے انتقال فرمایا جس میں سے دو برس اپنے دادا مولیٰ علی پھر دس برس اپنے چچا امام حسن پھر گیارہ برس اپنے والد ماجد امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ آپ نے گزارے تھے۔تاریخ وماہ وصال 12 محرم الحرام ہے۔(نور واتحاف)

بقول بعض 18/ اور بقول بعض 22/ محرم الحرام اور یومِ وصال شنبہ یا دوشنبہ مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور قبرستان بقیع میں قبۂ امام حسن میں مدفون کہتے ہیں۔حضرت کو ولید بن عبدالملک نے زہر دیا تھا اسی سے شہادت پائی۔(شجرہ فص اتحاف صواعق وغیرہ)

حضرت سید الشہداء امام حسین کی اولاد ذکور میں نسل صرف حضرت امام زین العابدین سے ہی چلی جملہ سادات حسینی آپ ہی کی اولاد ہیں۔ (نور وشجرہ وغیرہ)□□ (ماخوذ از: اصح التواریخ ص 103 تا 131 ملخصاً)

عہدِ جدید میں مطالعۂ سیرت النبی ﷺ

پروفیسر سید عبدالرحمٰن شاہ بخاری ☆

عہدِ جدید میں مادّیت اور بہیمیت کے فروغ نے بالآخر انسان کی باطنی شخصیت کو شکست و ریخت کا شکار بنا دیا ہے۔ کھوکھلی شخصیت، پریشان ذہن، مضطرب روح، غیر متوازن کردار، مفلوج احساس اور مکدر طبیعت یہ ہے عصرِ حاضر کے انسان کی کل کائنات۔ ہر طرف انتشار، انحراف، کج روی اور بے راہ روی کی ایک لہر دوڑ رہی ہے۔ اُمتِ مسلمہ مشرق سے مغرب تک ہمہ گیر زوالِ سیرت میں مبتلا ہے اور ان سب کا بنیادی سبب اور اصلی وجہ یہ ہے کہ مغرب نے مشرق پر اپنی ثقافتی یلغار کے تسلسل میں اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکنے اور اُمتِ مسلمہ کو اپنے وجود و تشخص سے محروم کر دینے کے لیے ابلیسی سازشوں اور دسیسہ کاریوں کا جو تانا بانا بنا تھا اس کا مرکزی نقطہ یہ قرار پایا کہ:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

چنانچہ عصرِ جدید کے استعمار نے اپنے ابلیسی ترکش کا آخری تیر استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے مرکز و محور، ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیگانہ کرنے اور نسبتِ محمدی علیٰ صاحبہا التحیہ کے روحانی و تہذیبی حوالوں سے منقطع کرنے کے لیے عقیدہ اور عمل کے ہر محاذ پر اپنی تمام تر استشراقی و استغرابی قوتیں صرف کر دیں۔ نتیجہ یہ کہ حکیمِ مشرق علامہ اقبال کے الفاظ میں:

عصرِ ما، ما را ز ما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰ بیگانہ کرد

بنا بریں اس وقت مسلمان جس ذلت و پستی کے عمیق غار میں گرے ہوئے ہیں اس سے نکلنے اور عالمی سطح پر اُمتِ مسلمہ کا منفرد تہذیبی تشخص بحال کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ مسلمانوں کا روحانی اور جذباتی تعلق پوری طرح استوار کیا جائے۔ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کا سینہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرارت سے سرشار ہو۔ ہر مسلمان اپنی جان و مال اور کل کائنات سے بڑھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ساتھ محبت رکھے۔ معاشرے کو ایسے تمام منفی عوامل و اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے جو محبتِ رسول کے ان سرچشموں کو خشک اور مطالعہ و اتباعِ سیرت کے شغف کو کمزور کریں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قلبی وابستگی اور گرویدگی کا یہی وہ محکم رشتہ ہے جو قومیتِ اسلام کی بنیادیں استوار کرتا اور ہر فردِ ملت کو بقا و استحکام بخشتا ہے:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

الغرض ذہنی انتشار اور روحانی اضطراب کے اس دور میں ہماری کشتیِ حیات کے لیے قابلِ اعتماد لنگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ ہی ہے جس نے بڑے بڑے طوفانوں اور آندھیوں میں ہمیشہ مسلمانوں کو سہارا دیا اور ہماری شناخت، ہماری عظمتوں، ہماری تاریخ اور ہماری سرخ روئی کی ضمانت فراہم کی۔ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لافانی جذبہ ماضی کے ہر فتنے کے مقابلے میں اُمتِ مسلمہ کے لیے آہنی حصار کا کام دیتا رہا اور ہر آزمائش میں پورا اُترنے کا حوصلہ بخشتا رہا۔ آج تک اُمتِ مسلمہ کا روحانی وجود نسبتِ محمدی کی برکتوں ہی سے قائم ہے۔ آئندہ بھی اگر مسلمان اس رشتۂ حیات کو پختہ رکھیں تو نہ صرف بقائے دوام ان کا مقدر ہوگی بلکہ کون و مکاں کی سب قوتیں اور بحر و بر کے سب خزانے ان کے زیرِ تصرف و تابع فرماں ہوں گے:

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

بنا بریں یہ واضح ہے کہ عصرِ حاضر میں انسانیت کی استواری اور ہمواری کے لیے مطالعۂ سیرت النبی کی ضرورت شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس ضرورت کے چند اہم پہلوؤں کی نشان دہی سطورِ ذیل میں کی جا رہی ہے۔

مطالعۂ سیرت النبی ﷺ قربِ الٰہی کا جادۂ نور ہے:

اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہ اپنے جلوؤں کی فراوانی میں بے پناہ ظہور رکھتا ہے اور اپنی ذات کے حجابات میں بے انتہا بطون لیے ہوئے ہے۔ بندے نگاہ اٹھائیں تو کائنات میں ہر سو اسی کا جلوہ ہے اور اس تک پہنچنا چاہیں تو وصال محال ہے۔ کسی کی عقل، کسی کا وہم، کسی کا خیال اس تک نہیں پہنچتا۔ وہ حدِ ادراک سے ماورا ہے۔ ایسی مخفی اور باطن ذات تک پہنچنے کے لیے مخلوق کسی وسیلے اور علامت کی محتاج ہے۔ ایسی علامت جو اللہ کی ذات پر دلالت کرے۔ ایسا وجود جو رہنمائی کرے مخلوق کی خدا تک اور ایسی ہستی جو ذریعہ ہو اس تک وصال کا۔ یہ دلیل، یہ علامت اور یہ ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ تمام مخلوق کے لیے جو ازل سے ابد تک وجود میں

لائی گئی، دلیل ہیں خدا کے وجود کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا تمام مخلوق کے لیے براہ راست خدا کی دلیل نہیں ہے۔ آپ علی الاطلاق پوری کائنات کے لیے خدا تک رسائی کا وسیلہ ہیں۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے کسی نے پوچھا: مخلوق کے لیے خدا تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟ انھوں نے جوب دیا: ''مخلوق کے لیے خدا تک رسائی کے سب راستے بند ہیں، صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دہلیزِ غلامی کا راستہ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالے وہی خدا کو پاسکتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ ربِ ذوالجلال نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو پوری کائنات کے لیے آئیڈیل، نمونہ اور اسوۂ حسنہ قرار دیا، پس آپ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ اور اسوۂ حسنہ کی اتباع نسل انسانی کے لیے مدارجِ کمال کی طرف بڑھنے کا راستہ ہے۔

انسان کی زندگی کے دو حصے ہیں: ایک فطرت و واقعیت کی حدود سے متعلق اور دوسرا ماورائے حواس وفطرت۔ پہلے حصے کے لیے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ اطہر کا وہ پہلو ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے جو سراسر واقعیت و عملیت پر مبنی ہے، جبکہ انسانی زندگی کے دوسرے پہلو کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ آلہ علیہ وسلم کی روحانیت کا فیضان ارشاد باری تعالیٰ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ سے عبارت ہے۔ صوفیائے کرام اس لیے اتباعِ رسول میں درجۂ کمال پر فائز ہوتے ہیں کہ صوفیانہ مشاہدے کا آغاز ہی اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع و پیروی کے بغیر ولایت، مشاہدہ، صوفیانہ واردات اور روحانی ارتقا ممکن نہیں ہے۔ اسوۂ رسول سے ہمارا تعلق ورشتہ اتباع کے حوالے سے ایک زندہ عملی رشتہ ہے جس میں منصبِ رسالت کے چار فرائض (تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت) ایک فعال عملی قوت کے طور سے متصرف ہیں۔

جس شخص کا دل نورِ مصطفوی سے مستنیر نہ ہو، وہ حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اس لیے توحید پر ایمان سے ہی محروم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی توحیدِ خالص کا تصور آج صرف اسلام ہی میں باقی ہے۔ باقی ہر جگہ، ہر مذہب میں یہ تصور مسخ ہو چکا ہے۔ پس توحیدِ خالص کا تصور نوعِ انسانی کے لیے عطیہ ہے شعورِ مصطفیٰ کا۔ اسی لیے دینِ حق اسلام میں رسالت کو کلمۂ توحید کا جزو بنا دیا گیا ہے۔ توحید کے ساتھ انسانوں کا رشتہ رسالت ہی کے واسطے سے جڑا ہے۔ معروف نومسلم مغربی محقق حسن عبدالحکیم (گائی ایٹن) کے الفاظ میں:

"The first Shahadah.... or first part of the confession of faith, would remain as abstraction if it had no sequel. It could be said that the second Shahadah brings the first down to earth, and to deny the second would be to sever all connection witht he first.... The prophet is the link between creator and creature." (Islam and the destiny of man. p. 62)

یعنی کلمۂ طیبہ کا پہلا حصہ محض تصور ہے دوسرے جز کے بغیر۔ یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ کلمہ طیبہ کا دوسرا جز ہی پہلے جز کا تعلق اس دنیا سے قائم کرتا ہے۔ اگر اس دوسرے جز (رسالت) کا انکار کر دیا جائے تو پہلے جز (توحید) سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔

اس سے کھلا کہ توحیدِ الٰہی پر ایمان معتبر نہیں رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کے بغیر۔ اسلام میں خدا کو صرف یکتا ماننا ہی مطلوب نہیں بلکہ اُسے ربِ محمد صلی اللہ آلہ علیہ وسلم کی حیثیت میں ماننا درکار ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النّبیین مانے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا چاہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل ایمان ہی کیوں نہ رکھتا ہو:

چلے نہ ایماں اِک قدم بھی اگر ترا ہم سفر نہ ٹھہرے
ترا حوالہ دیا نہ جائے تو زندگی معتبر نہ ٹھہرے

توحید، انسانی شعور کی باطنی پہنائیوں میں روحانی واردات ہی کی راہ سے جذب ہوتی ہے۔ یہ فیضان ہے معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی مکی آیات میں باطنی احوال و وارادات کا عنصر اس درجہ نمایاں نظر نہیں آتا جیسا معراج کے بعد نازل ہونے والے حصے میں نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقتِ مطلقہ یعنی ذاتِ الٰہیہ کا براہِ راست، بغیر واسطہ حواس کے خالص باطنی ادراک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج ہی سے نصیب ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی مشاہدۂ ذات اور رویتِ باطنی ہے جس نے نوعِ انسانی کو براہِ راست بذریعہ قلب و وجدان ادراکِ الٰہیہ کی روشنی اور فیضان بانٹا ہے۔ یہ ادراک نوعِ انسانی کے لیے معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ آلہ علیہ وسلم کا ارمغان ہے۔ پس سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ اس جہت سے وہ واحد ذریعہ قرار پاتا ہے جس سے نوعِ انسانی قربِ الٰہی کی داخلی وجدانی راہوں پر جادہ پیما ہوسکتی ہیں۔ علامہ اقبال نے مذہبی مشاہدات کی نوعیت پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر ہاکنگ (Hocking) کا یہ تجزیہ نقل کیا ہے:

"If ever upon the day-length time-span of any self or saint either, some vision breaks to rol his life and ours into new channels, it can only be because that vision admits into his soul some troping invasion of

the concreat fullness of enternity." (Iqbal: The Reconstruction of Religious Thouts in Islam, p. 21)

(اگر کسی ولی یا عامی کو اپنے محدود اور بے بصیرت نفس زمانی میں کوئی ایسا جلوہ نظر آتا ہے جس سے ہماری اور اس کی زندگی کی کایا پلٹ جائے تو اس کا سبب بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ حقیقتِ سرمدیہ تمام وکمال محسوسیت کے ساتھ اس کی روح پر چھا گئی)

اس اقتباس میں حقیقتِ سرمدیہ کی جس تجلی کی بات کی گئی ہے یہ دراصل مظہرِ ذاتِ الٰہیہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ اور اسوۂ حسنہ کی پیروی سے وابستہ ہے۔ آپ کی سیرتِ مطہرہ کی عمیق معرفت اور اسوۂ حسنہ کی کامل اتباع ہی کے ذریعے ایک ولی اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں حقیقتِ مطلقہ اس کی طرف متوجہ ہوتی اور اس کے شعور پر حاوی ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے بندے کی تمنا اور آرزو کا جواب (Response) اس کے جس اندرونی شعور کے مقابل اترتا ہے۔ وہ دراصل اس کے باطن میں پنہاں تصورِ مصطفیٰ ہی کا شعور واحساس ہے۔ جو شخص تصورِ مصطفیٰ کی پہنائیوں میں گم ہو اور اتباعِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبا ہو وہ ذاتِ الٰہیہ کے غیر معمولی التفات، عنایاتِ خسروانہ اور توجہاتِ کریمانہ کے احاطے میں آجاتا ہے۔ پس کیا اہلِ ایمان کا شیوہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ خود کو ہر آن سیرتِ مصطفیٰ سے جوڑے رکھیں۔ قرآن پڑھیں تو سیرتِ مصطفیٰ کے الوہی بیان کی رعنائیوں میں کھو جائیں۔ احادیثِ طیبہ میں اتریں تو کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی شعاعوں سے اپنے تن من کی پہنائیاں اُجالیں۔ احکام شریعت پر عمل پیرا ہوں تو ہر ہر حکم کے اندر جھلملاتی ادائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلّیوں سے بہرہ ور ہوں۔ تصوف وطریقت کی راہوں پر جادہ پیما ہوں تو قدم قدم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے جگمگاتے نقوش کی پیروی میں خدا کے قرب ورضا کی اعلیٰ منزلیں ڈھونڈیں۔

مطالعۂ سیرت آئیڈیل لائف اسٹائل کی مہکار:

آسمان سے جتنے مذاہب اُترے وہ سب تدریجاً نوعِ انسانی کو آئیڈیل لائف اسٹائل کی طرف لے کر چلتے رہے تا آنکہ فاران کی چوٹی سے خدا کا نور آخری بار دنیا والوں کے لیے چمکا اور سید کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی شکل میں قیامت تک کے لیے مثالی طرزِ زندگی (Ideal Life Style) ہمیں دے دیا گیا۔ ایک ایسا لائف اسٹائل جو ندرتوں کا ایک جہاں اور عظمتوں کی کہکشاں اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ جو زندگی کے ہر دائرے، فکر ونظر کے ہر گوشے اور حسنِ کردار کے ہر زاویے سے متعلق رہنمائی کا سامان اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے ہے اور کیوں نہ ہو کہ جو ہستی اپنے وجود کی رعنائیوں میں یہ لائف اسٹائل پروکرلائی ہے وہ خود پوری کائنات کی آئیڈیل ہے۔ سب سے بلند اور سب سے جدا وحی الٰہی کے سانچے میں ڈھلی اور عرشِ بریں سے ہوکر اُتری۔ لیجیے مشہور نومسلم مفکر ابوبکر سراج (مارٹن لنگز) سے سنیے:

"The Messenger (Rasul) is not Revealed Message but he also, like the Revelation, is 'Sent' into this world from the beyond. Just as the Qur'an embraces every aspect of human life, so it was the destiny of Muhammad to penetrate with exceptional versatility into the domain of human experience, both public and private." (What is Sufism, p. 33-34)

یعنی پیغمبر علیہ السلام کی ذات نہ صرف مہبطِ وحی الٰہی ہے بلکہ وہ خود بھی وحی الٰہی کی طرح ماورائی دنیا سے اس زمین پر بھیجے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح وحی قرآنی اپنی وسعت وعمومیت میں انسانی زندگی کے تمام دائروں پر محیط ہے، اسی طرح محمد عربی صلی اللہ آلہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ غیر معمولی تنوع اور جامعیت کے ساتھ انسانی شعور کی سب انفرادی پہنائیوں اور اجتماعی وسعتوں میں پوری طرح سرایت کیے ہوئے ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اب نوعِ انسانی کے تمام آزاروں کا مداوا اسی آئیڈیل لائف اسٹائل کی پیروی میں مضمر ہے۔ یہی سلامتی کا راستہ اور نجات کا دروازہ ہے۔ یہی انسان کا مقصدِ حیات اور خدا کی مشیت کا تقاضا ہے۔ زندگی کا مقصد یہ ہے کہ انسان مشیتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھل جائے۔ زندگی دینے والا جیسا چاہے انسان ویسا ہی بن جائے۔ وہ کچھ کہے انسان وہی کرے۔ وہ جس سے روکے یہ اُس سے رُک جائے۔ اُس کی پسند انسان کی چاہت ہو اور اُس کی رضا انسان کی خواہش۔ اُس کی مرضی پر انسان فدا ہوجائے اور اُس کی محبت میں فنا۔ وہ جہاں بندے کو دیکھنا چاہتا ہے وہاں سے غائب نہ ہو اور جہاں سے منع کردے وہاں کبھی جانے نہ پائے۔ امام شاطبی نے مقاصدِ شرعیہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

المقصد الشرعی هو اخراج المکلف عن داعیة هواه حتی یکون عبداً للّٰه اختیار کما هو عبداللّٰه اضطرار. (الموافقات:2-168)

یعنی شریعت کا مقصد یہ ہے کہ بندے کو اس کی خواہش نفس کے چنگل سے چھڑا دیا جائے تاکہ وہ اپنے اختیار سے خدا کا بندہ بن جائے جیسے کہ وہ فطری طور پر اضطراراً خدا کا بندہ ہے۔

یہی تقویٰ ہے، یہی عبدیت اور یہی ایمان کا تقاضا۔ قرآن اسی کو مقصد

تخلیق کہتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان مشیتِ الٰہی کے سانچے میں کیسے ڈھلے اور اپنے مقصدِ حیات کو کیوں کر پائے۔ خدا کی پسند و ناپسند کا معیار کیا ہے، اور اس تک پہنچنے کا راستہ کون سا؟ خدا کی رضا کس چیز میں ہے، اور حسنِ عمل کا نمونہ کہاں؟ غرض سوال بہت سے ہیں، پر جواب صرف ایک، یعنی حضور سید کونین رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی رہنمائی کے لیے انبیائے کرام کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا جو سلسلہ شروع فرمایا وہ حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر آکر منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ آپ کی بعثت سے تخلیقِ کائنات کی غایت اور نبوت و رسالت کی غایت دونوں پوری ہوگئیں۔ علم، عمل اور روحانیت کی دنیا میں جتنے بھی مراتب کمال ممکن تھے وہ سب آنحضرت صلی اللہ آلہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جمع ہو گئے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ میں:

ہر رتبہ کہ بود امکاں بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

یعنی ہر مرتبۂ کمال جو مخلوق کے لیے ممکن تھا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت شریفہ کے بعد انسانیت کے لیے ہدایت، سعادت اور فلاح کا راستہ ہمیشہ کے لیے آپ کے اسوۂ حسنہ میں منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ کی ذاتِ اقدس مشیتِ الٰہی کا جلوہ ہے اور آپ کی سیرت معیارِ زیست۔ اب رہتی دنیا جس کو جو کچھ ملے گا اسی بارگاہِ کرم سے ملے گا۔ قربِ الٰہی کی راہ پر جادہ پیمائی کا پہلا قدم بھی اسی نقشِ پا کی اتباع میں اٹھے گا اور حاصلِ منزل بھی اس درگاہِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باریابی ہوگی۔ آپ سے ہٹ کر ایمان و عمل کا کوئی تصور از روئے اسلام پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ہی مرکزِ کائنات ہیں اور آپ ہی مقصدِ حیات۔ اس لیے کہ نبوت کہ ابتدا سے لے کر آخر تک جس قدر بھی کمالاتِ دنیا وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہے اور طبقۂ انبیا میں سے کسی کو ملتے رہے، وہ سب کے سب ذاتِ محمدی میں آکر جمع ہو گئے اور اس طرح جمع ہوئے کہ اس سے پہلے نہ کوئی ایک کمال اس رفعت و عظمت کے ساتھ اور نہ وہ تمام کمالات اس جامعیت کے ساتھ کسی میں جمع ہوئے تھے۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسوۂ حسنہ بلا امتیاز کائنات کے آغاز سے انجام تک ہر ایک کے لیے آئیڈیل لائف اسٹائل قرار پایا۔

قارئین محترم! یاد رکھیے، خدا کی نظر میں اسوۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہتر کوئی لائف اسٹائل ہو ہی نہیں سکتا اور دنیا اپنے تہذیبی شعور کے نقطۂ کمال پر پہنچ کر جب دَم لے گی تو انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ دہلیزِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اپنی جبینِ نیاز جھکا دے گی۔

اب یہ بات تو بے غبار ہوگئی کہ انسان اپنے مقصدِ حیات کو پانے کے لیے جو بھی تدبیر، جو بھی راستہ اور جو بھی ذریعہ اپنائے بہرصورت اسے حضور نبی رحمت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے جڑ کر رہنا ہوگا اور آپ کی سیرتِ اطہر کے سائے میں جینا ہوگا۔ مقصدِ حیات کسی کو سیرتِ مصطفیٰ سے جڑے بغیر مل نہیں سکتا۔ نہ عقائد اور اعمال کی وادیوں سے، نہ جذبوں اور ولولوں کی دنیا سے، نہ تزکیۂ روح اور تعمیرِ شخصیت کی راہوں سے۔ مقصدِ حیات کے بغیر زندگی محض حیوانیت ہے اور مقصدِ حیات کو پانے کا ذریعہ صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے سیرت وسنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پختہ اور والہانہ تعلق۔ ایسا تعلق جو دن کے اُجالے اور رات کی تاریکی دونوں پر حاوی ہو۔ جو زندگی اور موت دونوں کو ذاتِ مصطفیٰ سے جوڑ دے۔ قدم قدم ہمیں جادۂ مصطفیٰ پر چلائے اور نفس نفس ان کی یاد میں پگھلائے۔ جو ہماری دھڑکنوں میں عشقِ مصطفیٰ کی تڑپ جگا دے اور ہماری سانسوں میں یادِ مصطفیٰ کی مہک بسا دے۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہمارا یہ پختہ اور والہانہ تعلق دو چار دِنوں میں استوار نہیں ہوتا، اس کے لیے ہمیں مسلسل اور متواتر ایک عمل جاری رکھنا ہوگا۔ مطالعۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل، ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کو پیہم اپنا شیوۂ حیات اور اسلوبِ زیست بنانا ہوگا۔ ہم زندگی کے جس بھی شعبے میں سرگرمِ عمل ہوں بہر آئینہ مطالعۂ سیرت ہمارے مستقل معمول کا ایک حصہ بن جائے۔ سو آیئے ہم مطالعۂ سیرت کو اپنا کر نور و نکہت کے اس راستے پر پہلا قدم بڑھائیں۔ اس تمنّا کے ساتھ:

لوٹ جا عہدِ نبی کی سمت رفتارِ جہاں
پھر مری پسماندگی کو ارتقا درکار ہے

مطالعہ سیرت انسانی فطرت کی رعنائیوں کا سراغ:

قرآنِ حکیم نے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی کا تعارف مختلف حوالوں سے کرایا ہے لیکن آپ کے منصب، آپ کے مشن، آپ کے مقاصد، آپ کی دعوت اور آپ کے پروگرام کا تعارف جس ایک لفظ میں سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے، وہ ہے: یُزَکِّیۡهِمۡ ۔ (آل عمران: 164) یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ شریفہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ نسل انسانی کا تزکیہ فرمائیں، اس لیے آپ کی سیرتِ مطہرہ کا ایک ایک نقش پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کی تعلیمات، آپ کی لائی ہوئی ہدایات، آپ کا دیا ہوا نظام، آپ کی شریعت سبھی تزکیۂ نفس کے ذرائع ہیں لیکن اصل منبع ہے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت بالذات سب سے مؤثر، سب سے طاقتور ذریعہ ہے تزکیۂ نفس کا اور قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے

لیے ہمیشہ آپ کی شخصیت انتہائی فعال عامل رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں دین و شریعت، نظام و ادارت، اخلاق و اقدار اور تہذیب و تمدن سب تابع ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و شخصیت کے۔ سارا دین دراصل پر تو ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں کا۔ اصل اور بالذات مقصود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ کی شخصیتِ مقدسہ اسلام کی جملہ تعلیمات کا محور ہے۔ سورۂ احزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (احزاب:21)

''اے دنیا والو! تمھارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں اُسوۂ حسنہ ہے۔''

سورۂ احزاب 5،6 ہجری کے آس پاس نازل ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ جو سب سے آخر میں نازل ہوئی اس میں احکام کا زیادہ حصہ ہے، تو گویا سورۂ احزاب جب نازل ہوئی اس وقت تک احکام کا تقریباً ایک بٹا چھ حصہ ہی نازل ہوا ہوگا اور قرآن سورۂ احزاب میں کہتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں، ہر ضرورت ہر حاجت میں، ہر مسئلے، ہر معاملے میں تمھارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس مکمل نمونہ ہے۔ اب ذرا غور کیجیے سورۂ مائدہ جو سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اُس میں وضو کا حکم ملا ہے تو بھلا ہجرت سے ڈیڑھ برس پہلے نماز فرض ہونے سے لے کر ہجرت کے 7 سال بعد تک مسلمان نماز کے لیے کس طرح طہارت کیا کرتے تھے۔ کیا بغیر وضو کے نماز پڑھا کرتے تھے؟ نہیں۔ پھر بھلا وضو کا طریقہ کہاں سے آیا تھا۔ یہ دراصل حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا اختیار فرمایا ہوا طریقہ تھا۔

یہ بات تو اکثر ہم سنتے ہیں کہ نماز کے ارکان، اوقات، اعمال کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ تفصیلات ہمیں صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ملتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ قرآن پاک میں وضو کا طریقہ 7 ہجری کے بعد عطا کیا جا رہا ہے اور اس سے پہلے نماز فرض ہونے سے لے کر آٹھ یا دس برس تک، بلکہ نماز تو روزِ ازل ہی سے پڑھی جا رہی تھی، لہٰذا قریباً 19 سال تک مومنین وضو کر کے نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اور آپ کا طرزِ عمل اُن کے لیے دین کی حیثیت رکھتا تھا اور قرآن پاک نے بعد میں سورۂ مائدہ کی وضو سے متعلق آیت کے ذریعہ آپ کی سیرتِ مطہرہ کے اُس پہلو کو بین الدفتین محفوظ کر دیا۔ ذرا سوچیے! 19 سال تک جس عمل کو مسلمان اختیار کیے ہوئے ہیں 19 سال بعد اسے قرآن پاک میں اُتارنے کا مقصد کیا ہے؟ کوئی نیا حکم تو دیا نہیں جا رہا ہے بلکہ صرف آنے والی نسلوں کو تحفظِ سیرت کے لیے بتایا جا رہا ہے۔ پس کھلا کہ اہلِ ایمان کے نفوس کا تزکیہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے نفوذ سے ہوا تھا۔ یہی وہ بات ہے جو اس آیتِ مقدسہ میں فرمائی گئی ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ۔ (بقرہ:129)

یہاں صیغہ ایسا برتا گیا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو فعال عامل (Operating Factor) بنا دیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تزکیہ کرتی ہے۔ جب زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم دیا تو ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (توبہ:103)

''اے نبی! آپ اِن اہلِ ایمان کے مال میں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ وصول فرمایئے تاکہ آپ اس صدقے کے ذریعے ان کو پاک کریں۔''

عام طور پر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا زکوٰۃ ادا کرنے کا عمل ہمیں پاک کرتا ہے یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی ہمارے مال کو پاک کرتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس قرآن پاک سے یہ اُبھر کر سامنے آئی کہ زکوٰۃ کی ادائیگی خود بخود ہمارے مال اور دل کو پاک نہیں کرتی بلکہ وہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہے اور اُس ذاتِ گرامی سے ہمیں پاکیزگی ملتی ہے۔ جس طرح استاد اپنے شاگردوں میں نفوذِ علم کا ذریعہ ہے، بلاتمثیل اسی طرح تزکیۂ نفوس کا سرچشمہ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ روزہ، نماز، حج، جہاد وغیرہ تمام احکامِ دین کی حیثیت ان تدابیر کی ہے جو آپ کے نفوذ و تاثیر کے ذریعے بنتے ہیں۔ آپ ان ذرائع اور تدابیر کے محتاج نہیں ہیں۔ پاکیزگی کونین میں براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ سے بٹتی ہے۔

قرآنِ پاک کی رو سے نبوت و رسالت محض ایک دعوتی ادارہ نہیں جس کا کام صرف نسلِ انسانی تک خدا کا پیغام پہنچا دینا ہو اور بس، بلکہ وہ انسانی وجود میں حرکی طور پر متصرف ایک انتہائی فعال قوت ہے جو اپنے فرائضِ منصبی یعنی تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفوس کے ذریعے افراد کو نشو و نمائے ذات اور ملت کو تعمیر و استحکام کی لامتناہی منزلیں طے کرا رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (احزاب:6)

''نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور سیرتِ طیبہ مومن کے لیے خود اس کے اپنے وجود کی گہرائی اور گیرائی سے بھی زیادہ محیط، زیادہ قریب اور زیادہ عزیز ہے۔ آفاقی ہدایت اور ابدی سعادت کا یہی وہ سرچشمہ ہے جس کے ذریعے انسان اپنے وجود کا داخلی مرکز دریافت کر سکتا ہے اور حیات و کائنات کی آخری منزل تک سفر کر سکتا ہے۔

باقی صفحہ 30 پر

یوپی اسمبلی انتخاب 2012
مسلمان کیا کریں؟

مارچ 2012ء کا یہ شمارہ قارئین تک چونکہ فروری کے پہلے عشرے میں سامنے آرہا ھے۔ اس لیے اس بار خصوصی موضوع بروقت یوپی اسمبلی انتخاب کو بنایا جارہا ھے۔ 8 فروری سے یوپی میں اسمبلی الیکشن شروع ھورھے ھیں، سیاسی جماعتوں کی مسلم ووٹ سے دلچسپی عام انتخابات کی بنسبت غیرمعمولی نظر آرھی ھے۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاھیے اور اپنے قیمتی ووٹ کا استعمال کن ایشوز کو مدنظر رکھتے ھوئے کرنا چاھیے۔ پیش ھے اس تعلق سے ذیل میں چند سیاسی مبصرین اور تجزیہ نگار کی رائے۔ (ارشاد نعمانی)

چھوٹی پارٹیاں اور مسلم سیاست

فضل الرحمٰن☆

اسمبلی انتخابات 2012ء میں اتر پردیش میں کئی چھوٹی پارٹیاں میدان میں ہیں۔ اس میں وہ پارٹیاں بھی شامل ہیں جو مسلمانوں کو نگاہ میں رکھ کر اپنا سیاسی راہ عمل طے کررہی ہیں۔ دوسری طرف قومی پارٹیاں ووٹروں کو راغب کرنے کے لیے اپنے اپنے انداز میں انتخابی مہم چلارہی ہیں۔ پرینکا گاندھی ایک بار پھر اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے انتخابی حلقوں میں کانگریسی خیمہ میں ہلچل پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ راہل گاندھی اتر پردیش کی قسمت بدل دینے کے وعدے کرتے پھر رہے ہیں اور اتر پردیش میں غیر کانگریسی دورِ حکومت کو ریاست کی پسماندگی کے لیے مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ کانگریس اجیت سنگھ سے تال میل کرکے اپنی سیٹوں کی تعداد بڑھانے کے لیے پورا زور لگائے ہوئے ہے۔ سماجوادی پارٹی کے ریاستی صدر اکھلیش یادو اور ان کے والد ملائم سنگھ انتخابی جلسوں سے خطاب کررہے ہیں اور مسلمانوں کو اتنا ریزرویشن دینے کا وعدہ کررہے ہیں جتنا کہ انھوں نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ بہوجن سماج پارٹی کی سربراہ مایاوتی 2007ء کی انتخابی پالیسی کو توسیع دیتے ہوئے ایک بار پھر سوشل انجینئرنگ کے اسی فارمولہ کو اپنارہی ہیں جس کی بدولت انھوں نے ملائم سنگھ یادو کو شکست فاش دی تھی۔ مایاوتی نے صاف وشفاف شبیہ بنائے رکھنے کے لیے 100 سے زائد ممبران اسمبلی کے ٹکٹ کاٹے اور کئی لیڈروں کو باہر کا راستہ دکھایا۔ بی جے پی سربراہ نتن گڈکری پارٹی کی روایتی پالیسی پر گامزن رہتے ہوئے اوما بھارتی اور ان کی قبیل کے دیگر لیڈروں کے سہارے مسلم مخالف ایشوز پر یوپی میں زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ پارٹی نے او بی سی ریزرویشن میں مسلم کوٹے کو اپنا خاص انتخابی ایجنڈا بنایا ہے۔ اتر پردیش کی شطرنجی بساط پر کوئی جگہ بظاہر خالی نظر نہیں آتی۔ بہت سی پارٹیاں سرگرم ہیں اور ذات پات کے اعداد وشمار کو دھیان میں رکھ کر اپنے امیدوار میدان میں اتار رہی ہیں۔ اسی کے پیش نظر سیاسی مبصرین امیدواروں کی فہرست میں ان کی ذات پات تلاش کررہے ہیں۔ کتنے یادو کو ٹکٹ دیئے اور کتنے کشواہا کو، کتنے مسلمانوں کو ٹکٹ دیئے اور کتنے برہمنوں کو وغیرہ وغیرہ۔ مایاوتی نے جب 403 امیدواروں کی فہرست جاری کی تو فوراً ہی یہ تجزیہ ہونے لگا کہ 85 مسلمانوں، 74 برہمنوں، 88 دلتوں کو ٹکٹ دے کر مایاوتی نے اپوزیشن کو کرارا جواب دیا ہے اور دیگر پسماندہ طبقات (او بی سی) کے 113 افراد کو میدان انتخاب میں اتار کر بینی پرسا دورما اور بابو رام کشواہا کے منہ کا ذائقہ خراب کردیا ہے۔ اتر پردیش میں ذات پات بہرحال ایک زمینی سچائی ہے۔ اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں کہ 2007ء میں مایاوتی نے 86 برہمنوں کو ٹکٹ دیا تھا جس میں سے 43 کامیاب ہوئے تھے، 61 مسلمانوں کو ٹکٹ دیا تھا جس میں سے 29 کامیاب ہوئے تھے اور او بی سی میں 120 کو ٹکٹ دیا تھا جس میں سے 55 کامیاب ہوئے تھے۔ اس بار مایاوتی نے مسلم امیدواروں کے ٹکٹوں کی تعداد بڑھائی ہے اور برہمنوں کے ٹکٹ کم کیے ہیں۔ یہ بات بھی کم دلچسپ نہیں کہ بی ایس پی کی فہرست میں صرف پانچ یادو شامل ہیں جو او بی سی میں آتے ہیں۔ او بی سی میں جو زیادہ پسماندہ برادریاں ہیں ان کو ٹکٹ دینے میں مایاوتی نے ترجیح دی ہے، اس میں موریہ، چوہان،

☆ ای میل: fazlurrehman@inquilab.com

سینی اور شاکیہ شامل ہیں۔ دیگر پارٹیاں بھی اتر پردیش میں مایاوتی کے ایجنڈے کے مطابق ہی چل رہی ہیں یعنی ذات پات کے اعداد وشمار کے حساب سے ہی امیدواروں کو انتخابی میدان میں اُتارا جارہا ہے۔ ایسے سیاسی منظرنامہ میں چھوٹی پارٹیاں اپنی قسمت آزمارہی ہیں جن میں سے کچھ پارٹیاں محض مسلمانوں کے نام پر سیاسی میدان میں ہیں۔ ان کے بارے میں جہاں ایک طرف یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا ووٹ کاٹیں گی تو کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ووٹ کاٹنے دو، آگے چل کر یہی پارٹیاں ایک طاقت بن سکتی ہیں۔ گزشتہ صدی میں 90 کی دہائی میں کانشی رام نے اپنا انتخابی معرکہ شروع کیا تھا تب نہ اتنی پارٹیاں تھیں اور نہ بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر اور بابری مسجد انہدام جیسا کوئی علامتی سانحہ وقوع پذیر ہوا تھا جسے مسلمانوں کو سیاسی طور سے مائل یا منحرف کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ 1989ء میں اتر پردیش سے بہوجن سماج پارٹی کے دو اراکینِ پارلیمان منتخب ہوکر لوک سبھا میں پہنچے تھے، ان میں سے ایک موجودہ بی ایس پی سربراہ مایاوتی بھی تھیں۔ کانشی رام نے اپنا معرکہ اس سیاسی ماحول میں شروع کیا تھا جس میں اعلیٰ اور متوسط ہندو ذاتوں کا دبدبہ تھا اور سیاسی میدان میں کوئی جگہ خالی نظر نہیں آتی تھی۔ ایسے حالات میں کانشی رام نے سیاسی دانشمندی کے ساتھ ایک سماجی کارکن کی طرح کام کیا۔ انھوں نے نئے خطوط پر سوچنا شروع کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ وہ کسی بھی سیاسی حریف کے ساتھ تال میل کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ یہ تال میل ان کے اصل ووٹر یعنی دلتوں کے مفاد میں ہو۔ اسی فکر پر آگے بڑھتے ہوئے 1984ء کے لوک سبھا انتخابات میں بہوجن سماج پارٹی نے 10 لاکھ ووٹ حاصل کیے تھے اور پہلی کامیابی 1989ء میں حاصل ہوئی۔ دس برس کی محنت کا صلہ 1989 میں ملا۔

آگے چل کر 1996 میں بی ایس پی کو قومی پارٹی کا درجہ مل گیا۔ اس کے بعد کی تاریخ تو عیاں ہے، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہنے کا ماحصل یہ ہے کہ دس پندرہ سال کی جدوجہد کے بعد ہی کسی پارٹی کو عوام میں کوئی مقام حاصل ہوتا ہے۔ یہی بات مسلمانوں کے نام پر سیاست میں کودنے والے گروپوں پر صادق آتی ہے۔ مسلمانوں کے حوالہ سے ماضی قریب اور حال میں کئی سیاسی گروپوں نے انتخابی میدان میں قدم آگے بڑھایا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں اور سیاسی طور سے اپنے حقوق سے محروم دیگر طبقوں کے سیاسی عزائم میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ میدان میں پہلے سے موجود سیاسی طاقتوں سے یہ گروپ ناخوش اور غیر مطمئن ہیں اور وہ سیاسی نمائندگی میں اپنا حصہ چاہتے ہیں۔ روایتی صورتِ حال برقرار رکھنے کی خواہشمند پارٹیوں کے پاس دولت کی کمی نہیں۔ اب انتخابات میں کالے دھن کا استعمال خوب جم کر ہوتا ہے۔ اس کا سب سے واضح ثبوت موجودہ اسمبلی انتخابات میں الیکشن کمیشن کے حکم پر روپے پیسوں کی چیکنگ اور پکڑ دھکڑ ہے۔ اتر پردیش میں کروڑوں روپے ضبط کیے گئے ہیں۔ گوا میں بھی اسمبلی انتخابات ہورہے ہیں جہاں بدعنوانی کی ایک شکل یہ بھی سامنے آئی ہے کہ انتخابی ڈیوٹی پر لگائے گئے اہلکاروں کو امیدوار خوب سیر وتفریح کراتے ہیں۔ یہ دیکھ کر الیکشن کمیشن نے تو مرد اہلکاروں کو ڈیوٹی پر تعینات کرنے سے ہی منع کر کے خاتون اہلکاروں کو الیکشن کی نگرانی پر تعینات کیا ہے۔ بدعنوانی، کالا دھن، ذات پات، جرائم اور دیگر منفی عناصر کی ملاوٹ سے سیاست کی پراگندگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اچھی حکمرانی، ترقی، مساوات اور انصاف کے لیے سیاسی میدان میں قدم نہ رکھا جائے۔ مسلمانوں کے کئی گروپ اس طرح کا نعرہ دے کر سیاسی میدان میں ہیں، لیکن اس بات پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ مسلمان سماجی سطح پر کوئی یونیفارم گروپ نہیں ہیں۔ مسلمانوں میں بھی متنوع سماجی گروپ موجود ہیں اور ان کے سیاسی میلانات مختلف ہوسکتے ہیں۔ اس بات کا اشتراک واتحاد کرنا چاہیے بلکہ غیر اقلیتی گروپوں سے بھی افہام وتفہیم کرنی چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ سیاست میں اس دم خم اور حوصلہ کا مظاہرہ کرنا چاہیے جیسا کہ کانشی رام نے کر کے دکھایا ہے۔ سیکولر جمہوریت میں الیکشن اعداد وشمار اور سوشل انجینئرنگ کا ایک کھیل ہے، مسلم کاز کی سیاست کرنے والوں کو اس کی سمجھ اپنے اندر پیدا کرنی ہی ہوگی۔ ❑❑

(بشکریہ روزنامہ انقلاب، دہلی، 18 جنوری 2012)

بقیہ: —— ووٹوں کو منتشر نہ ہونے دیں

میں سیاست کرنے والے دشمنوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں، اس لیے جوش میں ووٹ کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ہوش سے ووٹ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے فساد کے بجائے اب پارٹیاں مسلم ترقی کے ایجنڈے پر بات کررہی ہیں۔

لیکن ایک بار پھر اسی مسلم ووٹ بینک کی متحدہ طاقت کو اتر پردیش میں منتشر کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ اب نعرۂ تکبیر تو نہیں لگ رہا ہے، لیکن اب مسلم پلیٹ فارم کے نام پر مسلمان کو 'پیس' دلوانے کے خواب دکھائے جارہے ہیں۔ یہ وہی سیاسی شطرنج ہے کہ جس کا شکار ہوکر اور جذبات کی رو میں بہہ کر مسلم ووٹ بکھر جاتا ہے۔ ❑❑

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، 10 جنوری 2012)

خصوصی موضوع

مسلمان جذبات نہیں ترقی کے ایشو پر ووٹ ڈالے

شیش نارائن سنگھ ☆

اتر پردیش کے اسمبلی انتخابات سے قبل تمام سیاسی پارٹیوں میں رائے دہندگان کو اپنی جانب راغب کرنے کی ہوڑ مچی ہوئی ہے۔ اس مرتبہ کے انتخابات میں تمام پارٹیوں کو معلوم ہے کہ اقتدار کی چابی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ شاید اسی لیے تمام غیر بی جے پی پارٹیاں اپنے آپ کو مسلمانوں کا سب سے بڑا ہمدرد ثابت کرنے میں مصروف ہیں۔ جب ٹیلی ویژن کی خبروں کا زمانہ نہیں تھا تو ایک خاص نظریے کے لوگ افواہوں کی مدد سے انتخابات سے ٹھیک قبل ریاست کے چند مسلم اکثریتی علاقوں میں فرقہ وارانہ فساد کروا دیتے تھے اور ان کی اپنی سیٹ فرقہ وارانہ بکھراؤ کے نام پر نکل جاتی تھی، لیکن ٹی وی نیوز کی بہت بڑے پیمانے پر موجودگی کے باعث اب افواہوں کی بنا پر فساد کرانا بہت مشکل ہو گیا ہے، اس لیے بابری مسجد کے انہدام کے لیے ذمے دار نظریہ رکھنے والے تو اب مسلمانوں کے بکھراؤ کی امید چھوڑ چکے ہیں، لیکن باقی تین اہم سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کی حمایت کی بنا پر لکھنؤ کے اقتدار پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ اس کے لیے جہاں پرانے طور طریقوں کو بھی اپنایا جا رہا ہے تو نئے سے نئے طریقوں کو بھی اپنایا جا رہا ہے۔ ریاست کی برسر اقتدار پارٹی کی سپریمو نے بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ٹکٹ دے کر یہ ماحول بنانے کی کوشش کی ہے کہ وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی ہمدرد ہیں۔ سماجوادی پارٹی کو 1991ء سے ہی اتر پردیش کے مسلمانوں کی ہمدرد پارٹی کی شکل میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اس میں سچائی بھی تھی کہ جب بھی سماجوادی پارٹی کو موقع ملا، اس نے مسلمانوں کو سماجی اور اقتصادی سطح کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ کبھی ریاست میں اُردو کو فروغ دیا تو کبھی پولیس جیسی سرکاری نوکریوں میں مسلمانوں کو بڑی تعداد میں روزگار دیا، لیکن گزشتہ پارلیمانی انتخابات سے ٹھیک قبل بابری مسجد انہدام کے معاملے میں سپریم کورٹ سے سزا یافتہ لیڈر کلیان سنگھ کو باعزت پارٹی میں شامل کر کے سماجوادی پارٹی نے مسلمانوں کو بہت ناامید کیا تھا، اس کا خمیازہ بھی پارلیمانی انتخابات میں سامنے آ گیا۔ 2004ء میں تقریباً 40 سیٹوں پر کامیاب ہو کر پارلیمنٹ میں پہنچے تھے۔ وہیں 2009ء میں یہ تعداد 22 رہ گئی۔ حالانکہ مسلمانوں نے مکمل طور پر ساتھ نہیں چھوڑا تھا، لیکن کلیان سنگھ سے نزدیکی کی وجہ سے سماجوادی پارٹی مسلمانوں کی پسندیدہ پارٹی نہیں رہ گئی تھی۔ کلیان سنگھ کی شمولیت کے بعد پیدا ہوئی سماجوادی پارٹی سے مسلمانوں کی ناراضگی کو کانگریس نے اپنے مفاد میں استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ کانگریس پارٹی کو بھی مسلمانوں کے درمیان 6/دسمبر 1992ء کے بعد پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ سب سے بڑی تو یہ کہ 1992ء میں بابری مسجد کی شہادت کے لیے کانگریس پارٹی بھی کم ذمے دار نہیں ہے۔ 6/دسمبر 1992ء کے دن دہلی میں اقتدار پر کانگریس کا قبضہ تھا، پی وی نرسمہاراؤ وزیر اعظم تھے اور انھوں نے اتر پردیش کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ پر اعتماد ظاہر کیا تھا کہ وہ بابری مسجد کی حفاظت کریں گے۔ عجیب بات ہے کہ کانگریس نے کلیان سنگھ پر اعتماد ظاہر کیا، جبکہ ہر سرکاری افسر کو معلوم تھا کہ بابری مسجد کو منہدم کرنے کی پلاننگ بن چکی تھی اور اس سازش میں کلیان سنگھ باقاعدہ شامل تھے۔ کانگریس کی ملی بھگت کی وجہ سے مسلمانوں اور سیکولر جماعتوں نے کانگریس سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، لیکن جب سے راہل گاندھی میدان میں آئے ہیں، انھوں نے مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے میں تھوڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ ماہرین بتاتے ہیں کہ ان کی کوشش کا ہی نتیجہ تھا کہ 2009ء کے پارلیمانی انتخاب میں کانگریس کو 20 سے زائد سیٹوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد کانگریس نے سارے ایسے کام کیے ہیں، جس سے لگتا ہے کہ کانگریس 6/دسمبر 1992ء کے اپنے کام کے لیے شرمندہ ہے اور بات کو ٹھیک کرنا چاہتی ہے۔ کانگریس کی سرکار نے جو سچر کمیٹی تشکیل کی وہ مسلمانوں کے حالات بہتر بنانے کی سمت میں اٹھایا گیا ایک فیصلہ کن قدم ہے۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ منظرِ عام پر آنے کے بعد اب تک بہت ساری مروجہ باتوں سے پردہ اُٹھ گیا۔ مسلمانوں کو خوش کرنے کی پالیسی کی تشہیر کر کے سنگھ پریوار اور اس کی ذیلی دیگر تنظیمیں ہر حکومت پر الزام تراشی کرتی رہتی تھیں کہ مسلمانوں کو خوش کیا جاتا ہے، لیکن سچر کمیٹی کی رپورٹ آنے کے بعد وہ جواز بے معنی ہو چکا ہے۔

اتنا ہی نہیں، کانگریس کی سرکار نے رنگناتھ مشرا کمیشن کو تشکیل دے کر مسلمانوں کو سرکاری نوکریوں میں ریزرویشن دینے کی سرکاری پہل کو ایک شکل دے دی۔ اب تمام غیر بی جے پی پارٹیاں رنگناتھ مشرا کمیشن کی بات کرنے لگی ہیں اور اس طرف کچھ کام بھی ہو رہا ہے۔ مثلاً جب یو پی اے سرکار نے سرکاری نوکریوں میں او بی سی کوٹہ میں سے کمی کر کے 4.5 فیصد اقلیتی ریزرویشن کی بات کی، تو بات کچھ آگے بڑھی۔ کانگریس نے اس کی خوب تشہیر بھی کی اور 4.5 فیصد کو مسلمانوں کا ریزرویشن بتانے کی سیاسی مہم چلائی، جبکہ سچائی یہ ہے کہ اس 4.5 فیصد والی بات سے مسلمانوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہونے والا ہے، کیونکہ ان کو اس 4.5 فیصد کے لیے سکھ، عیسائی، جین اور بودھ سماج سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے یہ تمام کا

☆ای میل: sheshji@gmail.com

تمام 4.5 فیصد انھی اقلیتی سماجوں کے حصے میں جائے گا جو تعلیمی طور پر آگے ہیں، لیکن کانگریس کے لیڈران کی کچھ تقریروں کے حوالے سے بعض انصاف پسند جماعتیں کانگریس کو مجبور کرسکتی ہیں کہ وہ مکمل طور پر مسلمانوں کے لیے سرکاری نوکریوں کا کچھ فیصد الگ سے ریزرو کردے۔

بہرحال اب ایک بات صاف ہے کہ پرانے طریقوں کو استعمال کرکے مسلمانوں کو بے وقوف بنانا کچھ مشکل ہوگا۔ مثلاً اترپردیش کی موجودہ برسراقتدار پارٹی کی سپریمو نے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کو ٹکٹ دے کر اپنی مسلمانوں کے تئیں ہمدردی کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کانگریس اور سماجوادی پارٹی نے بھی مسلمانوں کو ٹکٹ دے کر اپنے آپ کو سرفہرست رکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن مسلم نوجوانوں کا موجودہ طبقہ اس بات سے متاثر نہیں ہورہا ہے۔ وہ سوال پوچھ رہا ہے کہ کچھ خوش حال اور طاقتور مسلمانوں کو ایم پی، ایم ایل اے بنا کر کوئی بھی پارٹی عام مسلمانوں کو کیسے مطمئن کرسکتی ہے؟ اب مسلمان کچھ اقتدار کے خواہشمند مسلمانوں کو ملی ہوئی عزت سے خوش ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ انصاف کا مطالبہ کرنے لگے ہیں، انھیں تعلیم چاہیے، سرکاری نوکریوں اور پرائیویٹ سیکٹر میں اپنا حق چاہیے۔ کچھ مسلمانوں کے سامنے ٹکٹ کی خیرات پھینک کر عام مسلمانوں کو مطمئن کرنا ناممکن ہے، اس لیے دیکھا یہ جارہا ہے کہ سچراور رنگناتھ مشرا کو جس عزت کی نظر سے مسلم سماج میں دیکھا جاتا ہے، وہ عزت کسی بھی مسلم لیڈر کو میسر نہیں ہے۔ ویسے مسلمان ہر اس شخص کی عزت کرتا ہے، جو اس کے لیے انصاف کی بات کرتا ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ جو بھی مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کرلیتا ہے، وہ عام مسلمانوں سے دُور رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا ہے۔

اترپردیش اسمبلی انتخابات 2012ء سے قبل جو ماحول بن رہا ہے، وہ اس ملک کے عام مسلمانوں کے لیے صاف طور پر سودمند ہوگا، مثلاً کانگریس اپنے 4.5 فیصد اقلیتی ریزرویشن کو مسلم ریزرویشن بتانے کی کوشش میں جب ناکام ہوگئی تو اپنے ایک مسلم وزیر سے بیان دلوادیا کہ اب مسلمانوں کو 9 فیصد ریزرویشن دیا جائے گا۔ اس بات کو ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پھیلانے کی بھی کوشش کی جارہی ہے۔ کانگریس کی اس کوشش کو عام مسلمان سنجیدگی سے لے رہے ہیں۔ دوسری جانب سماجوادی پارٹی نے مسلمانوں کے لیے 18 فیصد ریزرویشن کی بات کرنی شروع کردی ہے۔ سماجوادی پارٹی کی اس بات کو انتخابی اسٹنٹ ہی مانا جارہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی بات کو لوگ ہلکا نہیں مانتے۔ لیکن لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ فی الحال مسلمانوں کو 18 فیصد ریزرویشن دینا سیاسی طور پر کسی بھی پارٹی کے لیے ممکن نہیں ہے۔

ان انتخابات کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جذباتی ایشوز کو اٹھانے کی کوئی کوشش کام نہیں آرہی ہے۔ کلیان سنگھ کا 'ہندو ہردے سمراٹ' والا چولا بالکل بے کار ثابت ہورہا ہے۔ اپنے علاقہ میں اپنی برادری کے کچھ لوگوں کے علاوہ وہ کسی کے 'ہردے سمراٹ' نہیں بن پارہے ہیں۔ ظاہر ہے وہ انتخابات میں کوئی خاص رول نہ ادا کرپائیں گے۔ بابری مسجد کیس میں ان کی معاون ملزم اوما بھارتی کو بھی بی جے پی کے قومی صدر نے یوپی میں اہم رول دینے کی کوشش کی ہے، لیکن ان کی موجودگی بھی ہندونواز رائے دہندگان پر وہ اثر نہیں ڈال پارہی ہے جو 1992ء کے بعد انتخابات میں تھا، یہی حال بابری مسجد کے نام پر سیاست کرنے والے مسلمانوں کا بھی ہے۔ اس وقت کے زیادہ تر لیڈر تو پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں، جو کچھ نظر بھی آرہے ہیں ان کی مسلمانوں پر کوئی خاص گرفت نہیں ہے۔ دراصل اس انتخاب میں یہ بات بالکل صاف ہوگئی ہے کہ اب مسلمان جذباتی ایشوز کو اپنانے کو تیار نہیں ہے، اسے تو انصاف چاہیے اور اپنا حق چاہیے۔ اسے ترقی چاہیے اور مساوی مواقع چاہئیں۔ اگر اترپردیش کا مسلمان اس مرتبہ ان ایشوز کو انتخابات کی اسٹریم لائن بنانے میں کامیاب ہوگیا تو ملک اور مسلمانوں کا مستقبل بہتر ہوگا۔ اب تمام لوگ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ اب مسلمان جذباتی ہوکر فیصلہ نہیں کرنے والا ہے۔ وہ کسی بھی فساد برپا کرنے والے شخص کی باتوں میں نہیں آنے والا ہے۔ یہ اشارہ 2009ء میں ہی ملنا شروع ہوگیا تھا۔ جب 2009ء کے اسمبلی انتخاب سے ٹھیک قبل مشرقی اترپردیش کے کچھ اضلاع میں مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہے کچھ ہورڈنگ لگادیئے گئے تھے، سی ڈی تقسیم کی گئی تھیں اور مسلمانوں کو دوسرے طریقے سے مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے بعد کسی بھی انتخاب میں مشتعل بیان بازی یا انتخابی ساز وسامان کا بازار نہیں چل پایا۔ شاید اس لیے موجودہ انتخاب بھی ترقی کے ایشوز کے اِرد گرد گھومتا نظر آرہا ہے اور سبھی پارٹیوں کو معلوم ہے کہ اس بار مسلمانوں کی فیصلہ کن مدد کے بغیر سرکار نہیں بننے والی ہے۔ انصاف کی اس لڑائی میں اس مرتبہ اترپردیش کے مسلمانوں کی تعداد اہم رول ادا کرنے والی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد کے حساب سے تقریباً 19 اضلاع ایسے ہیں، جہاں ان کی مرضی کے لوگ ہی منتخب ہوکر آئیں گے۔ رام پور، مراد آباد، بجنور، مظفرنگر، سہارنپور، بریلی، بلرام پور، امروہہ، میرٹھ، بہرائچ اور شراوستی میں مسلمان تیس فیصد سے زیادہ ہیں۔ غازی آباد، لکھنؤ، بدایوں، بلندشہر، خلیل آباد، پیلی بھیت وغیرہ ایسے اضلاع ہیں، جہاں کل ووٹروں کی ایک چوتھائی تعداد مسلمانوں کی ہے۔ ظاہر ہے جہاں مسلمانوں کے ووٹ کے لیے تین اہم پارٹیاں بہت کوشش کررہی ہیں، وہاں یہ ووٹر انصاف کی جدوجہد میں ایک زبردست اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اب اترپردیش کی سیاست میں مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے والی سیاست کرنا مشکل ہوگا۔ اب سیاسی پارٹیوں کو اصل ایشوز پر توجہ دینی ہوگی۔ ❑❑

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی، 20 جنوری 2012)

خصوصی موضوع

ووٹوں کو منتشر نہ ہونے دیں

ظفر آغا☆

جمہوریت نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو، اتنا ضرور کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت بدل دی۔ ایک دور تھا کہ فساد ہندوستانی مسلمان کی قسمت تھے۔ جب دیکھو دنگے ہورہے ہیں، جب دیکھو مسلم دُکانیں نذر آتش ہورہی ہیں، جب سنو مسلم نوجوان دنگوں کے نام پر جیل جارہے ہیں۔ پھر یہ وقت آیا کہ پولیس یا پی اے سی مسلمان کی دشمن ہوگئی، کبھی مرادآباد تو کبھی ملیانہ جیسا حادثہ درپیش ہورہا ہے، خدا خدا کرکے مسلمان اس دور سے نکلا ہی تھا کہ بابری مسجد کا تنازعہ کھڑا ہوگیا۔ مسلمان راتوں رات اسی ہندوستان میں بابر کی سنتان بن گیا اور ادھر 'جے سیارام' کا نعرہ بلند ہوگیا۔ اب مسلمان پر قہر برپا تھا اور قیامت کا سامنا تھا۔ کبھی بابری مسجد گرائی جارہی ہے تو کبھی ممبئی میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور کبھی گجرات میں مسلم نسل کشی ہورہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلمان دیکھتے دیکھتے وقت کی گرد ہوگیا۔ آئے دن مسلم نوجوان گھروں سے اٹھا لیے گئے اور جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے۔ الغرض پچھلے 20-25 سالوں میں ہندوستانی مسلمان پر قیامت ٹوٹ گئی۔

لیکن آج وہی مسلمان ہے کہ اس کے لیے ہر چیز کا کم از کم وعدہ ہورہا ہے۔ وعدہ تو وعدہ سرکاری اقدامات بھی ہورہے ہیں۔ وہ ریزرویشن جس کا خواب بھی دیکھنا کن ہی وقتوں میں ہندوستانی مسلمان کے لیے گناہ تھا، آج مرکزی منموہن سنگھ حکومت نے اسی مسلمان کو 4.5 فیصد ریزرویشن دے دیا۔ ادھر کانگریس کے اس اعلان کو وقت نہیں گزرا تھا کہ ملائم سنگھ نے یہ وعدہ کردیا کہ اگر ہماری حکومت بنی تو ہم مسلمان کو اس کی آبادی کے تناسب سے ریزرویشن دے دیں گے۔ جس کو دیکھو وہ مسلم حمایت پر آمادہ ہے۔ جو ہے وہ مسلمان کو ریزرویشن دینے کی بات کررہا ہے۔ وجہ سیدھی سادی ہے، ہر کسی کو مسلم ووٹ چاہیے۔ یہی سبب ہے کہ یوپی اور اتراکھنڈ کے حالیہ انتخابات میں ہر پارٹی مسلمان کو کچھ نہ کچھ دے رہی ہے۔

لیکن یہ انتخاب کا وقت مسلمانوں کے لیے ایک لمحۂ فکریہ بھی ہے۔ بالخصوص اس وقت اترپردیش کے مسلمانوں کے لیے سوچنے کا وقت ہے۔ انتخابی دنگل کوئی کھیل تماشہ نہیں ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام میں انتخاب ہر پانچ سال کے اندر ایک ایسا موقع فراہم کرتے ہیں، جب کہ کوئی قوم یا کوئی گروہ اپنی قسمت کا فیصلہ کرسکتی ہے۔ اگر یہ فیصلہ غلط ہوگیا تو پھر بابری مسجد جیسا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے یا پھر گجرات جیسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں۔ اگر فیصلہ صحیح ہوجائے تو پھر اسی قوم کو 4.5 فیصد ریزرویشن کا اعلان بھی ہوجاتا ہے اور دوسرے کہتے ہیں کہ یہ کم ہے، ہم تو اور دیں گے۔ لب لباب یہ کہ انتخاب وہ وقت ہے کہ جس وقت ایک قوم اپنا مقدر بنا سکتی ہے یا اپنا مقدر بگاڑ سکتی ہے۔ اترپردیش نہ صرف ہندوستان کا دل ہے، بلکہ ہندوستانی مسلم سیاست کا بھی سنگ میل ہے۔ سچ یہ ہے کہ پچھلے کچھ برسوں میں ہندوستانی سیاست میں مسلم قدر و منزلت میں جو اضافہ ہوا ہے، اس کی شروعات بھی اترپردیش سے ہی ہوئی تھی۔ 1992ء میں بابری مسجد گری اور مسلمان پر قہر ٹوٹ پڑا۔ پھر 1993ء میں اسی اترپردیش میں صوبائی انتخاب ہوئے اور وہاں ایک نئی سرکار بنی۔ اس انتخاب میں اترپردیش کے انتخاب میں مسلمان نے اپنی قوت جھونک کر بابری مسجد گرانے والی پارٹی کو اقتدار سے باہر کردیا۔ اب وہیں سے مسلم مستقبل سنورنے لگا۔ جو اترپردیش میں نئی سرکار آئی اس نے اترپردیش میں فساد روک دیا، یعنی مسلمانوں نے متحد ہوکر کم از کم اترپردیش میں اپنے ووٹ بینک کی قوت پر اپنے لیے سیکورٹی حاصل کرلی۔

یعنی جمہوریت میں اسی قوم کی قدر ہے جو متحد ہے اور اترپردیش وہ صوبہ تھا کہ جس نے ہندوستانی مسلمان کو یہ سبق دیا کہ جمہوری نظام میں متحد ووٹ بینک کتنا کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ بس اسی کے بعد ہندوستانی مسلمان نے ملک میں Tactical Voting شروع کرکے ملک کے کونے کونے میں ہر جگہ اپنے دشمن کو ہرانے کا گر سیکھ لیا اور آج ہندوستانی مسلمان اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں سے اس کا ریزرویشن کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہونے لگا، لیکن یہ انقلاب بپا ہوا محض متحد مسلم ووٹ بینک کی قوت پر، یعنی موجودہ دور میں اگر ہندوستانی مسلمان کے پاس کوئی قوت ہے تو اس کا نام ہے متحدہ ووٹ بینک اور اس مسلم ووٹ بینک کی قوت کا پہلا سبق اگر کسی نے مسلمان کو سکھایا تو اس مقام کا نام ہے اترپردیش، لیکن افسوس کہ آج اسی اترپردیش میں مسلم ووٹ بینک خطرے میں ہے۔ بابری مسجد شہید کیے جانے سے قبل ہندوستانی مسلمان کا المیہ یہی تھا کہ وہ دماغ کی بجائے دل سے سوچتا تھا۔ قوم میں ایک تو قیادت کا فقدان اور اس پر طرفہ یہ کہ جس نے یہ آواز بلند نعرۂ تکبیر بلند کردیا بس مسلمان آنکھ بند کرکے اس کو اپنا قائد سمجھ کر اس کے ساتھ ہولیتا تھا، لیکن بابری مسجد کے سانحہ نے کچھ آنکھیں کھولیں۔ اب مسلمانوں کو کچھ کچھ یہ سمجھ میں آنے لگا کہ اکثر نعرۂ تکبیر کی چھاؤں

☆ای میل: zafar_agha@yahoo.co.in

باقی صفحہ 53 پر

اھم خبریں

مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کی اہلیہ کے لیے ایصالِ ثواب

معروف ادیب و نقاد اور بلند پایہ شاعر حضرت مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی مبارکپوری کی اہلیہ ناصرہ خاتون کا 13 جنوری 2012ء کو دہلی کے جیون مالا اسپتال میں وصال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لیے ماہنامہ 'ماہِ نور' کے آفس میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی جس میں مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔ ماہنامہ 'ماہِ نور' کے مدیر اعلیٰ مفسر قرآن حضرت مولانا سیّد ابوالحسن اشرفی، مدیر اعزازی ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی نے مرحومہ کے اچانک وصال پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا اور پسماندگان خصوصاً ڈاکٹر شرر مصباحی کے لیے صبر جمیل کی دعا کی۔ شرکائے نشست میں مولانا ارشاد نعمانی اور ضیاء الحق منیجر ماہنامہ 'ماہِ نور' قابلِ ذکر ہیں۔ (ادارہ)

مولانا سید محمد اشرف اندرابی کی اہلیہ اور بھائی کا وصالِ پر ملال

ماہنامہ 'ماہِ نور' کی مجلس مشاورت کے اہم رکن مولانا سید محمد اشرف اندرابی کی اہلیہ 27 جنوری 2012ء بروز جمعہ بوقت بعد نمازِ فجر اور یکم فروری 2012ء کو آپ کے برادرِ محترم کا وصال ہوگیا۔ 'ماہِ نور' کے آفس میں ایک دونوں مرحومین کے ایصالِ ثواب و دعائے مغفرت کے لیے ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی جس میں مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔ ساتھ ہی پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔ تعزیت پیش کرنے والوں میں 'ماہِ نور' کے مدیر اعلیٰ مفسر قرآن حضرت مولانا سید ابوالحسن اشرفی مقیم حال انگلینڈ، مدیر اعزازی ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی، مولانا ارشاد عالم نعمانی اور ضیاء الحق منیجر 'ماہِ نور' کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ (ادارہ)

عرس قائد اہلِ سنت علامہ ارشد القادری

عالم اسلام کی عبقری شخصیت، ان گنت مدارس و مساجد کے معمار اور مشرقی ہند کی عظیم دینی درسگاہ کے بانی قائد اہلِ سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا دسواں تین روزہ سالانہ عرس مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں 8 تا 10 جنوری 2012ء نہایت تزک احتشام کے ساتھ منعقد ہوا۔

مورخہ 8 ر جنوری کو صبح کے نو بجے کل ہند تقریری مقابلے سے عرس کا شاندار آغاز ہوا اور 9 ر جنوری کی دوپہر تک وقفہ وقفہ سے تقریر، نعت، قرأت اور تحریر و قلم کا انعامی مقابلہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رہا۔ ان مقابلوں میں مختلف مدارس سے آئے ہوئے دس سالہ بچے سے لے کر اٹھارہ بیس سالہ طلبہ نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے فن اور کمال کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا۔

اس عرس میں پچھلے نو سالوں سے ہندوستان کی کسی عظیم علمی شخصیت کے دینی وملّی کارناموں کی بنیاد پر عقیدتوں اور محبتوں کا خراج پیش کرنے کے لیے علامہ ارشد القادری چیریٹیز انٹرنیشنل کی جانب سے قائد اہل سنت ایوارڈ اور تکریمی خطاب سے نوازا جاتا ہے امسال اس ایوارڈ و خطاب کے لیے جس ہمہ جہت شخصیت کا انتخاب کیا گیا وہ ہیں علامہ قمر الزماں خاں اعظمی، ان کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا ساتھ ہی 'مفکرِ اسلام' کے تکریمی خطاب سے بھی نوازا گیا، سپاسنامہ جانشین قائد اہلِ سنت حضرت علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب مہتمم مدرسہ فیض العلوم جمشید پور نے بذات خود تیار کیا اور علما و شعرا سے بھرے اسٹیج سے پڑھ کر سنایا۔ (رپورٹ: شعبۂ نشر و اشاعت، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور)

شیر بہار مفتی محمد اسلم رضوی کے انتقال پر اظہار تعزیت

پوکھریرا، سیتامڑھی: ملک کے جید عالمِ دین اور نامور شخصیت شیرِ بہار حضرت علامہ مفتی محمد اسلم رضوی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ قادریہ مقصود پور اورائی مظفر پور کے انتقال پرُ ملال پر رضا اسلامک مشن آف بہار کے صوبائی صدر مولانا نسیم احمد مصباحی نے اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''شیرِ بہار کا دنیا سے چلا جانا ایک عظیم سانحہ ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔'' ان کے انتقال پر ارکانِ امام احمد رضا لائبریری، ماسٹر شاہد رضا پوکھریروی، انجینئر افضل رضا، صوبائی ترانہ کے خالق ایم آر چشتی، ڈاکٹر شمیم اقبال، حافظ خیابان احمد، اختیار احمد جامی، محمد صادق اورائی، شعیب اختر، منظر حسین اور اشتیاق احمد مظفر پور نے اپنے غم کا اظہار کیا اور ان کے پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کی۔ اکرم رضا پوکھریروی نے تمام لوگوں سے ان کے درجات کی بلندی اور دعائے مغفرت کی اپیل کی۔ اللہ تعالیٰ مفتی محمد اسلم رضوی علیہ الرحمہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ (آمین)

شیرِ بہار مفتی اسلم رضوی کی وفات ملت کا عظیم خسارہ

مدھوبنی، بہار: صوبہ بہار کے مایۂ ناز اور جید عالمِ دین شیرِ بہار حضرت مفتی محمد اسلم رضوی خلیفہ حضرت مفتی اعظم ہند بانی و مہتمم جامعہ قادریہ مقصود پور اورائی

مظفر پور کے سانحۂ ارتحال کی خبر جیسے ہی مدرسہ مظہر العلوم اسلامپور کچھوچھوا بسفی پہنچی سارے اساتذہ وارا کین غم میں ڈوب گئے۔ مدرسہ ہٰذا کے استاذ مولانا حشمت امجدی پوکھر یروی نے کہا کہ اہلِ سنت کے عظیم پاسبان اور بلند پایہ بزرگ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ انہوں نے کہا کہ جو ہستی کل تک اپنے علم وعرفان کی ضیا بار کرنوں سے عالم اسلام کو منور کیے ہوئے تھی آج عالم اسلام خاص کر صوبۂ بہار ان سے محروم ہوگیا۔ مولانا نے کہا کہ مفتی محمد اسلم رضوی نے اپنی ساری عمر دین اور اشاعت اسلام کی خاطر وقف کر دی تھی۔ ان کے انتقال پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اپنے تعزیتی پیغام میں مولانا امجدی نے اسے پوری دنیائے سنیت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا اور کہا کہ مفتی صاحب کا شمار ہندوستان کے ممتاز علما میں کیا جاتا تھا۔ تقویٰ، پرہیزگاری، عاجزی، انکساری، ملنساری ان کی ذات کا حصہ تھی۔ مولانا امجدی نے مفتی صاحب کی وفات کو ملت کا عظیم خسارہ بتایا اور کہا کہ مفتی صاحب کی وفات سے علمی دنیا میں ایک زبردست خلا پیدا ہوا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ انھوں نے کہا کہ دین اسلام کی تبلیغ کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اسی وجہ سے کئی اداروں کے سرپرست اعلیٰ اور بانی کی حیثیت سے بھی تھے۔ آج ان کے انتقال سے اہل سنت وجماعت سوگوار ہے۔ پرنسپل مفتی قیس رضا مصباحی نے کہا کہ مفتی اسلم رضوی کے انتقال سے سنیت کا ایک عظیم ستون منہدم ہوگیا جو سائبان کی طرح تھا۔ مولانا مصباحی نے گہرے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کے انتقال سے ایک خلا معلوم ہو رہا ہے جسے پُر کرنا کافی مشکل نظر آ رہا ہے۔ اظہارِ تعزیت کرنے والوں میں مولانا عبدالمنان، مولانا شہاب الدین شمسی، مولانا عرفان مصباحی، ماسٹر اعجاز احمد، ماسٹر حامد، حاجی زبیر احمد اور حافظ توحید عالم تھے۔ (رپورٹ: مولانا شہاب الدین شمسی)

مدرسہ باغِ عائشہ جمشید پور میں 'خواتین اسلام کانفرنس'

حسب سابق امسال بھی مدرسہ باغِ عائشہ کے زیر اہتمام سالانہ ''خواتین اسلام کانفرنس'' اور طالبات کا تقریری، نعتیہ، اسلامی کوئز اور مہندی مسابقہ مورخہ 11/جنوری 2012ء کو عیدگاہ میدان آزادنگر، جمشید پور میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ انعقاد کیا گیا، جس میں ملک وبیرون کی عالمات وفاضلات اور دانشور خواتین نے شرکت فرما کر ہزاروں کی تعداد میں شریک خواتین اسلام سے خطاب فرمایا۔

کانفرنس کا آغاز تلاوت کلام اللہ سے ہوا۔ پروگرام میں بطور مہمانِ خصوصی محترمہ عالمہ وفاضلہ فرحانہ قادری (حاجی علی ممبئی) نے شرکت کی اور محترمہ رضیہ بانو کی زیرِ صدارت پروگرام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ ان کے علاوہ باہر سے تشریف لانے والی نعت خواں محترمہ دیبہ عرشی، سامعہ فردوس، اسری عبید وہمنواں (حیدرآباد) اور غلام محمد عامری نے بارگاہِ رسالت میں نعتیہ کلام پیش کیا۔ اس موقع پر حکومت جھارکھنڈ کے وزیر اعلیٰ جناب ارجن منڈا کی اہلیہ محترمہ میرا منڈا بھی آئیں۔ انہوں نے پروگرام کو دیکھ کر باغِ عائشہ کی چیئر پرسن زیبا قادری بنت علامہ ارشد القادرری کو مبارکباد پیش کی اور کہا کہ میں عورتوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں ہر طرح کی امداد کی کوشش کروں گی۔ تقریری، نعتیہ، اسلامی کوئز اور مہندی مسابقہ میں اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والی طالبات کو محترمہ میرا منڈا کے ہاتھوں سے انعامات دیے گئے۔

عالمہ وفاضلہ محترمہ فرحانہ قادری نے اپنی تقریر میں تعلیمِ نسواں کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ بچوں کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہے یعنی ہماری تعلیم وتربیت کا سلسلہ ماں کی گود سے شروع ہو جاتا ہے۔ مدرسہ باغِ عائشہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ علامہ قمر الزماں خان اعظمی نے بذریعہ ٹیلی فون خطاب کیا نیز شہر جمشید پور کے ایم ایل اے مسٹر بنا گپتاج نے بھی ٹیلی فون سے خطاب کیا اور کہا کہ میں ہر طرح سے باغِ عائشہ کی مدد کروں گا۔ فی الحال انہوں نے مدرسہ باغ عائشہ کو پانچ عدد کمپیوٹر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ساتھ ہی ریاستِ جھارکھنڈ، بہار اور چھتیس گڑھ کی H.R محترمہ لالوت (C.B.S.C بورڈ) نے بھی شرکت کی انہوں نے بھی مبارکباد پیش کرتے ہوئے آئندہ تعاون کا وعدہ کیا۔ باہر سے آنے والی خواتین مہمان اور وزیر اعلیٰ کی بیگم میرا منڈا کا مدرسہ باغِ عائشہ کی طالبات نے پھولوں اور گلدستوں سے استقبال کیا۔

آخر میں باغِ عائشہ کی چیئر پرسن زیبا قادری بنت علامہ ارشد القادری نے خطبہ استقبالیہ دیا۔ انھوں نے جلسہ کی کامیابی پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے کہا کہ: فی الوقت مدرسہ باغ عائشہ میں پانچ اساتذہ اور 150 مقامی وبیرونی طالبات زیرِ تعلیم ہیں جو اردو، عربی کے ساتھ سلائی، کڑھائی، بنائی میں بھی مہارت حاصل کر رہی ہیں۔ بفضلِ الٰہی مدرسہ باغِ عائشہ کے لیے 10 کٹھا زمین کا سودا ہو چکا ہے جس کی قیمت 20 لاکھ روپے ہے۔ ایک اسکوائر فٹ کی قیمت 350 روپے ہے، جس میں گرلز ہوسٹل، لائبری اور دینی درسگاہ بنانے کا منصوبہ ہے، جس میں درسِ نظامیہ، حفظ، قرأت وغیرہ کی پڑھائی ہوگی۔

آخر میں انھوں نے سارے شرکا کا شکریہ ادا کیا اور قوم وملت سے ہمدردی رکھنے والے بھائیوں اور بہنوں سے پرخلوص تعاون کی اپیل کی۔ اس کے بعد جانشین قائد اہلِ سنت ڈاکٹر علامہ غلام زرقانی نے بھی بذریعہ ٹیلی فون مجمع سے خطاب فرمایا اور امت مسلمہ کی فلاح وبہبود کے لیے دعا فرمائی اور فاتحہ صلوۃ وسلام اور ڈاکٹر غلام زرقانی کی رقت انگیز دعا پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(رپورٹ: احمد رضا بخاری)